اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ

اللطیف

دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللطیف

بہ سرپرستی

اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مدظلہ العالی

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور رح

مدیران :-

حضرت مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری (بی اے)
ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

مولانا محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری پروفیسر دار العلوم لطیفیہ

مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی پروفیسر دار العلوم لطیفیہ

نمائندگان طلبا :-

(۱) مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری کڈپوی
جنرل سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف دار العلوم لطیفیہ

(۲) سید انوار اللہ تورگل بلگام متعلم دار العلوم لطیفیہ

(۳) ڈی۔یف۔ فیاض محی الدین بھٹکل دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

دار العلوم!

مناجات

درعطیہ

حضرت مولانا ابو صالح
عماد الدین سید شاہ محمد ناصر
صاحب قادری دامت برکاتہم العالیہ

از اعلیحضرت
قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین
شیخ المشائخ مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ
ابوالحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ

نام پیغمبرؐ کے اوپر جاں تصدق ہو چکا
بغض و کینہ اور حسد کو لوحِ دل سے دھو چکا

حضرتِ صدیقؓ سے رکھتا ہوں بیشک اعتقاد
تخم انکی دوستی کا مزرعۂ دل ہو چکا

عمرؓ اور عثماںؓ علیؓ کے دوستاں پر ہوں فدا
جو کہ دشمن ہے انو کا نورِ ایماں کھو چکا

جو کہ رو گرداں جنابِ حضرت حسنینؓ سے
ہے ہمیشہ روز و شب غفلت میں وہ سو چکا

دل سے ہے کمتر غلامِ اہل بیتِ مصطفیٰؐ
چار یارِ باصفا پر دل تصدق ہو چکا

اداریہ

نظرِ اولین

مری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

لیجئے پھر محفل سج گئی۔ "اللطیف" کا چوتھا سالنامہ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

نفسی نفسی کے اس پُرآشوب دور میں دارالعلوم لطیفیہ کا یہ مبارک اقدام حلقۂ احباب میں مستحسن نظروں سے ضرور دیکھا جائیگا اِس نشست میں بھی بے شمار مسائل پر سیر حاصل بحث ہو رہی ہے۔ موجودہ دور خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ دور سہی مگر انسانی زندگی بے بضاعتی، بے سرو سامانی کے دور میں ہنوز سسک رہی ہے۔ کہنے کو تو بہت سی مادی ترقیاں ہو رہی ہیں اور آج کی دنیا ترقی کے ان مدارج پر پہنچ چکی ہے جہاں وقت اور فاصلے کے تصورات کوئی معنی نہیں رکھتے۔ آج انسان ایٹم اور ہیڈروجن کے اندر چھپی ہوئی اُن پُراسرار طاقتوں کا مالک ہو چکا ہے جو پل بھر میں اس دھرتی کے سینے پر جنت کی تعمیر کر سکتی ہے اور منٹوں میں ساری زمین کو جہنم بھی بنا سکتی ہے۔ اس کی طاقت کا ایک ادنیٰ مظہر ہیروشیما اور ناگاساکی کے وہ دل ہلا دینے والے واقعات ہیں جو آدمی کی حرص اور ہوس کی تمنا کے بے جا کے نتیجے میں پیش آئے تھے۔ واقعات کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے بلکہ معلوم نہیں اور کتنے ہیروشیما و ناگاساکی انسان کے جبر و تشدد کا نشانہ بننے والے ہیں۔ کتنے ہٹلر اور سالازار اور جنم لیں گے، اور جانے کیا کیا ہوگا۔

اس پُرآشوب دور میں امن کے پجاری چلا رہے ہیں کہ انسانی زندگی کو ہوسناکی بربریت کا نشانہ بننے سے روکا جائے۔ زندگی کے اقدار بلند کئے جائیں۔ کوئی ایسا عالمگیر نظام حکومت متعین ہو جس سے معاشرہ کی اصلاح ہو۔ افساد و تخریب کو روکا جائے اور اسی تخیل نے دنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ مشرقی بلاک یعنی اشتراکیت اور مغربی بلاک یعنی سرمایہ دار طبقہ کی کشمکش نے موجودہ معاشرے کی نگاہ میں اس مسئلہ کو لاینحل بنا رکھا ہے۔ چارۂ کار صرف تنازع للبقا struggle for existence ہی ایک واحد حل رہ گیا ہے جس سے نصف سے زیادہ انسانی آبادی یوں ختم ہو جائیگی جیسے کبھی ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔

زندگی کے اقدار بلند کرنے کے لئے اخلاقی اقدار کو بلند کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ مولانا آزاد نے صحیح فرمایا ہے:۔

"آج جو لوگ عظیم الشان قوموں کی موت پہ ماتم کر رہے ہیں ان کو صرف مادی طاقت ہی پر نظر نہیں رکھنی چاہیئے بلکہ اُن کے اخلاقی تغیرات کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے جو سطوت عامہ کے جزوِ لاینفک ہیں۔ اس طرح کی حکیمانہ نگاہ سے ثابت ہو جائیگا کہ ترقی و تنزل صرف اخلاقی انقلابات کا نتیجہ ہیں۔ اس زبردست طاقت کے سامنے مادی طاقت نے ہمیشہ سرِ تسلیم خم کیا ہے"۔

"تاریخ داں اصحاب" یہ بات پوشیدہ نہیں کہ سرزمین عرب شرمناک بداخلاقیاں پیدا ہو گئی تھیں، اس کے نتیجہ میں امن و سکون کی زندگی ان کے لئے صرف خواب بن کر رہ گئی تھی۔ جب ان کو ہوش آیا تو ان کو معلوم ہو چکا کہ وہ جس دماغ کو عقل و بصیرت کا منبع سمجھ رہے تھے ایک ذلیل ترین دماغ تھا۔

قانونِ الٰہی کو جو مکارمِ اخلاق کا اتمام تھا اپنا کر انہوں نے دنیا کو ثابت کر دیا کہ انقلابِ صالح صرف اخلاقی اقدار کی بلندی کا نتیجہ ہیں۔

یہ انقلاب صرف عرب کی سرزمین ہی تک محدود نہ تھا۔ اہلِ یورپ کے دلوں کو بھی انہیں اخلاقی اقدار نے موہ لیا، جہاں سے تاریخ کے زرین باب کا آغاز ہوتا ہے۔ عیسوی پادریوں کے خود ساختہ کھوکھلے قوانین و ضوابط کا شیش محل یکبارگی ٹوٹ پڑا اور اسلامی تمدن نے جس کی بنیاد اخلاق کے ڈھانچے پر رکھی گئی تھی اپنی خوبصورت عمارت کھڑی کر دی، جس کو مورخ نشاۃ ثانیہ Renaissance کہتے ہیں۔ اس نشاۃ ثانیہ نے ساری دنیا کے سیاست میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس اعتبار سے فلسفۂ تمدن اسلامی تصورِ حیات کا رہینِ منت ہے۔ اسلامی تمدن کو دنیا کے دوسرے تمدنوں کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس نے انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے عدل و اعتدال کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اس نے ایک طرف تو فرد کو حیات کا واحد اور کافی بالذات مرکز قرار دیا اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کی برکتوں سے اسکی ذات کو مالا مال کرنے کے وسائل بہم پہنچائے جس سے انسانی زندگی کے توسیع و بقا کا سامان ملتا ہے۔ اخلاقی اعتبار سے اقوام و افراد کا طرزِ عمل ایک ایسا اہم سوال ہے جس کا جواب پیدا کرنے کے لئے حکماء اور علماء نے کسی نہ کسی صورت سے دماغ سوزی نہ کی ہو، مگر اس کا جواب صرف اسلامی تصورِ حیات ہی نے دیا جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات کے گوشے گوشے مستنیر ہو گئے۔ دنیا سیاسیات کے لق و دق صحرا میں ایک گم کردہ راہ کی طرح بھٹکتی پھر رہی تھی۔ ایسی حالت میں قانونِ الٰہی نے فلسفۂ حیات کو کھول کے رکھ دیا۔ سرِ حیات کا مبصر بنا دیا اور ایسا نظم پیدا کر دیا جس سے امن و امان اور سکون و شانتی کا جھنڈا اقصائے عالم میں بلند ہو گیا۔

دور اندیشی اور انصاف سے کام لیا جائے تو ماضی کے رنگین صفحات سے مستقبل کو مزین و آراستہ کرنے کے لئے بے شمار قوانین سموئے ہوئے تابندہ ہیں، جسکی روشنی میں شاہراہ زندگی کی ایک ایک رہ گزر صاف نظر آ رہی ہے۔ جس تاریکی نے ہمارے جوش و خروش اور ہمارے ولولے اور اُمنگ کے بے پناہ سمندر کو خاموش کر دیا ہے صرف ماضی ہی کے نقوش ہلچل پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ دار العلوم لطیفیہ اپنے قوم و ملت کے نونہالوں کی اخلاقی و روحانی قدروں کو بلند سے بلند ترین دیکھنے کی تمنا میں کوشاں ہے، تاکہ مسلمانوں کا تمدن اور انکی سیاسیات بدرجۂ غایت اسلامیات کے سانچے میں ڈھل جائے اور ماضی کے تابندہ نقوش صدائے بازگشت کی طرح مستقبل کی جبین پر پھر ایک بار چمک جائے اور دنیا مشاہدہ کر لے کہ اخلاقِ حسنہ ہی کی بدولت اجسام پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کی جاتی ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم و بحق آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مستحکم ارادوں کو شرمندۂ تکمیل کرے۔ (آمین)

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب۔

محمد طیب الدین اشرفی مونگیری

رُوئدادِ دارالعلوم لطیفیہ

(از ادارہ)

دارالعلوم لطیفیہ کی دینی و علمی خدمات تقریباً تین سو سالوں سے ہر فرد و بشر پہ بالکل کالشمس واضح اور روشن ہے جو ہمیشہ جملہ علوم و فنون کی تعلیم کے ساتھ طلباء کو تہذیب و اخلاق سے آراستگی کا ضامن اور اس کا کوشاں رہا ہے، اور ہمیشہ ہر دور کے لحاظ سے علماء پیدا کرتا رہا تاکہ قوم و ملک و ملت کے لئے ایک ایسا صحیح رہنما جو زمانے کی صحیح عکاسی کرتے ہوئے شریعت غرہ کی روشنی میں وقت کے تقاضوں کو پورا کرسکے اور قوم و ملک و ملت کی ترقیوں کا سچا ہمدرد ہو۔ کیونکہ ہر دور میں قوم و ملک ملت کا صحیح رہنما وہی انسان ہو سکتا ہے جو وقت و زمانہ کا نباض ہونے کے ساتھ اس کے اندر ہمدردی ایثار و قربانی کے بھی جذبات پائے جائیں، اس لئے کہ انہیں چیزوں سے بلند عزائمی پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ چیزیں کسی میں مفقود ہیں تو کسی بھی ترقی کا خیال سفاہت و ابلہی ہے۔ لہٰذا انسان کے اندر اس پوشیدہ جوہر کو بروئے کار لانے کے لئے تہذیب و اخلاق کا ہونا لازمی ہے جو دارالعلوم ہٰذا کا مقصد اول ہے اور طالب علم کے لئے جزو لاینفک قرار دیتا ہے۔

صحت سامان

جس طرح حسن انسانیت کا حقیقی سنگار علم و عمل اسی طرح حسن جسم کی آرائش صحت و تندرستی ہے جس کے بغیر انسان کے جذبات فنا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حالت صحت میں جتنے بہتر اعمال انجام پا سکتے ہیں، حالت ضعف میں ممکن نہیں۔ لہٰذا صحت بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جس کا تحفظ لازمی ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ صحت کو بیماری پر غنیمت جانو، اس لئے کہ کثیر عمل صحت پر موقوف ہے انہیں چیزوں کے مدنظر دارالعلوم ہٰذا نے طلباء کے لئے، والی بال۔ بیٹ منٹن۔ ٹنی کاٹ وغیرہ کا انتظام فرمایا تاکہ ورزش کے ساتھ ساتھ ان کی تفریح بھی ہو جائے اور ان کی صحت بھی کامیاب رہے۔

امتحانات و انعامات

ہمیشہ دارالعلوم ہٰذا کے اندر تین امتحان سہ ماہی، ششماہی، سالانہ ہوا کرتے ہیں۔ اول دو امتحان اساتذۂ دارالعلوم ہی کے ذمہ ہیں، اور سالانہ میں ہمیشہ باہر کے ممتحنین ہوا کرتے ہیں۔ نیز شعبۂ حفظ کے لئے بھی سالانہ میں باہر ہی سے حافظ بلائے جاتے ہیں۔ اور انہیں کے ذمہ شعبۂ مذکور کا امتحان ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اس سال بھی درجات عالیہ مولوی عالم وغیرہ کا امتحان باہر ہی کے ممتحنین نے لیا اور شعبۂ حفظ کے لئے بھی باہر سے حافظ بلائے گئے اور امتحان کے سالانہ اجلاس میں مقابلۂ کتب درسیات و تجوید و مقالہ نویسی و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلبا کو ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انعامات سے نوازا گیا۔ اور درجۂ حفظ میں فارغ ہونے والے طلبا کو ہر سال کی طرح عبا اور سند حفظ مع اجازت تلاوت عطا کی گئی۔

تکمیل سند

درجۂ عالم میں فارغ ہونے والے طلبا جن کا دورۂ احادیث مورخہ ۱۲ رجب المرجب ۸۴ھ کو ختم ہوا۔ اور ان کے امتحانات بھی باہر ہی کے علماء کرام نے لیا۔ بحمدہ تعالیٰ نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی اور سالانہ اجلاس میں عباء اور سند عالم انہیں عطا کی گئی۔

جلسہ انجمن دائرۃ المعارف

انجمن مذکور کا مقصد طلباء کے اندر تعلیم خطابات اور اپنے مافی الضمیر

کو ادا کرنے کا سلیقہ رہا، تاکہ بچے دنیا کے مختلف گوشوں میں اسلام کی حق آواز کو بحسن و خوبی پہنچا سکیں اور تبلیغ اسلام کا جو فریضہ ان پر عائد ہوتا ہے ان کو ادا کرنے میں کامیاب ہوں اور ہمیں اللہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ وہ ضرور انجمن کی اس کوشش کو درجۂ قبولیت عطا فرمائے گا۔

انجمن مذکور کا ہفتہ میں ایک جلاس جس میں دو نشستیں ایک شب جمعہ دوسری روز جمعہ ہوا کرتی ہیں مورخہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۳ اپریل ۱۹۶۴ء کو حسب دستور انجمن کے سالانہ افتتاحی اجلاس کے موقع پر اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز نے اپنے خطبۂ صدارت میں فضائل قرآن پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کچھ وصیت فرمائیں تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کا اہتمام کرو، جو تمام امور کی جڑ ہے تلاوت قرآن کا اہتمام کرو، دنیا میں یہ نور ہے اور آخرت میں ذخیرہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فضائل نماز اور اس کے برکات و فیوضات پر بصیرت افروز روشنی ڈالی اور آخر میں بیش بہا نصیحتوں اور دعا کے ساتھ خطبہ تمام فرمایا۔

آپ کے بعد عالیجناب مولانا مولوی محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری مدرس دار العلوم لطیفیہ نے اپنی تقریر میں، حسن جمال فضل وکمال، جود و نوال ہر ایک کو واضح فرماتے ہوئے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ہی دلکش انداز میں پیش فرمایا۔ جس سے سامعین بہت ہی محظوظ و متاثر ہوئے۔

بعد ازاں عالیجناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب فیض آبادی مدرس دار العلوم لطیفیہ نے حقیقت بدعت پر محققانہ اور نہایت سلجھا ہوا مضمون بیان فرمایا جو سامعین پر خاص اثر انداز رہا۔

آپ کے بعد ناظم دار العلوم ہذا عالیجناب مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی نے علم اور حصول علم پر روشنی ڈالتے ہوئے علمائے سلف کے حصول علم کی کاوشوں اور ان کے ذوق پر تاریخ کی روشنی میں اپنے خاص فصیح و بلیغ مفکرانہ انداز میں طلباء سے خطاب فرمایا اور خطابت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح خطاب میں ماحول کا لحاظ ضروری ہے، اسی طرح کسی لفظ یا جملے کو بار بار خطابت کے اندر لانا عیب تصور کیا جاتا ہے۔ ایک خطیب کو جہاں اور باتیں ضروری ہیں وہاں یہ بھی لازم ہے کہ مخاطب کا لحاظ اور زبان میں سلاست ہو، پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے تقریر ختم فرمایا۔ بحمدہ تعالیٰ جلسہ پوری کامیابی کے ساتھ صلوٰۃ سلام پر ختم ہوا۔

امسال انجمن کے کم و بیش ۴۰ چالیس جلسے ہوئے جن میں چند مخصوص اور قابل ذکر جلسے حسب ذیل ہیں:-

۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ کو سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ اور فلسفۂ شہادت پر اساتذۂ دار العلوم ہذا نے بصیرت افروز روشنی ڈالی۔ اور

۲۶ صفر المظفر ۱۳۸۴ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۶۴ء کو ہندوستان کے مرکزی وزیر برائے سائنس تحقیقات و امور ثقافت اور پٹرولیم و کیمیائی اشیاء پروفیسر ہمایوں کبیر صاحب کے اعزاز میں اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں بعد تلاوت قرآن عظیم و نعت خوانی کے مولانا محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری مدرس دار العلوم ہذا نے انجمن دائرۃ المعارف

کے جانب سے وزیرِ موصوف کی خدمت میں سپاس نامہ پیش فرمایا' جو مطالعۂ ناظرین کے لئے آگے صفحے میں آرہا ہے ۔ پھر وزیرِ موصوف نے تھوڑی دیر اپنے خاص مفکرانہ انداز میں حاضرین کو عموماً اور طلبائے دارالعلوم کو خصوصاً علم وعمل کی جانب موجودہ دَور کو سامنے رکھتے ہوئے توجہ وترغیب دلائی اور فرمایا کہ جبتک میدان علم وعمل میں مسلمان آگے رہے' عالم پر حکمران بن کر رہے اور آج جس قدر پیچھے ہیں' اتنے خستہ حالی میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں ۔ علم کے ساتھ ساتھ بازوئے عقاب وشاہین کی بھی ضرورت ہے' تاکہ فضائے قدس میں پرواز کے ساتھ عالم کی قیادت بھی ہمارے ہی سپرد ہو ۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے مختلف زبانوں کے متعلق گفتگو کی' اور فرمایا کہ دنیا میں ہر زبان میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ہوئی اور آئے دن ہوتی رہتی ہے' لیکن ٹمل زبان ایک ایسی ہے جو تین ہزار سال سے اپنی لطافت وعظمت کے ساتھ ہنوز باقی ہے' اور ہندستانی ثقافت کو برقرار رکھنے اور اس کو پروان چڑھانے میں بڑی حد تک اسکی ممد ومعاون ہے' نیز ہندوستانی سکیولزم (لادینیت) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لادین ولامذہبی حکومت کسی مذہب کی مخالف نہیں بلکہ وہ ہندوستان کے ہر فرد کو اپنے مذہب پر چلنے کی پوری آزادی دی ہے ۔ یہاں صاحب جرأت وہمت بن کر رہنے کی ضرورت ہے' مرعوب وخوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ اپنی تقریر میں **حضرت مکان** ویلور کے بزرگوں کی مثال پیش کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ یہ بزرگان مقدس آستانہ صدیوں سے للّٰہیت لئے ہوئے زمانہ سے بے نیاز ہوکر شریعت مصطفٰے کی حق تعلیمات اور اسکے خوبیوں کی ترویج واشاعت فرماتے رہے ہیں ۔ اور ان کے کارہائے نمایاں آج بھی عالم پر اظہرمن الشمس ہے ۔

ان کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید **شاہ محمد طاہر** صاحب قبلہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے اپنے مخصوص خطیبانہ انداز میں وزیر موصوف اور جملہ حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے جلسہ برخاست فرمایا ۔ اور

۱۲ ربیع الاول شریف کو بہتم بالشان **جشن ولادت سرور کائنات** صلی اللہ علیہ وسلم منایا گیا' جس میں اساتذۂ کرام اور طلبائے دارالعلوم نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت زندگی پر جامع روشنی ڈالی' ۔ اور ۱۱ ربیع الثانی کو سلطان العارفین شیخ المشائخ **غوث الاعظم** حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ۔ مذکورہ خصوصی اجلاس اعلیحضرت مولانا مولوی سید شاہ ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور کے زیر صدارت منعقد ہوئے ۔

ایڈیٹوریل بورڈ کا مقصد

طلبائے دارالعلوم لہٰذا ہی کی ترقی وفلاح کے پیش نظر مذکور بورڈ کا قیام عمل میں آیا اور مذکور بورڈ کا مقصد ہر حال میں طلبا ہی کی فلاح وبہبود ہے ۔ جس طرح انجمن کا قیام تعلیم خطابت سے اسی طرح اس کا قیام تحریر کی صلاحیت واستعداد پیدا کرنا ہے ۔ نیز اسی غرض کے تحت بچوں میں مزید شوق پیدا کرنے کے لئے **رسالہ** کا اجراء کیا گیا تاکہ ان بچوں کے مضامین جو بورڈ کا معینہ معیار ہے اس کے موافق ہونے پر افادۂ عوام کے لئے شائع کیا جائے ۔ اور جو بچے اس قابل نہیں' اس میں کوشاں ہونے کی انہیں تحریص دلائی جائے اور اپنے مضامین اشاعت کے قابل تیار کرسکیں ۔

دار التصنیف والاشاعت

دار التصنیف کے معرض وجود میں آنے کا مقصد واحد یہ ہے کہ بزرگان مکان حضرت قطب ویلور کی بیش بہا تصانیف جو اشاعت علم دین

کی غرض پر مبنی ہیں، ان کو مع تراجم اور بعض قابل تشریح مضامین کی شرح وبسط کے ساتھ منظر عام پر لائی جائیں تاکہ افادۂ عوام ہو۔ چنانچہ سال گزشتہ حالات بزرگان قدس اللہ اسرارہم، مسمٰی بہ **انوار اقطاب ویلور** ادارۂ مذکور سے شائع کی گئی جس میں ان بزرگوں کے حالات اور ان کے علمی و دینی کارناموں کو اجمالاً پیش کیا گیا ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ سکنڈ ایڈیشن میں مفصل طور پر پیش کرنے کی سعی کی جائے گی۔

اور امسال حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن قادری محوی قدس سرہٗ کا رسالہ **بعیت غائب و حاضر** جو تصوف میں ہے اور بعیت سے متعلق اس میں بحث کی گئی ہے مع ترجمہ و مقدمہ جس میں بعیت کی شرعی حیثیت اور مصنف کتاب کے حالات پر مختصر روشنی کے ساتھ منظر عام پر لائی گئی تاکہ شائقین حضرات اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

اطباء و ڈاکٹروں کی خدمت میں

ہم ان اطباء و ڈاکٹر حضرات کے تہ دل سے مشکور ہیں، جنہوں نے طلبائے دارالعلوم کے موسمی اثرات سے متاثر ہونے پر ان کی جانب خصوصی توجہ فرمائی اور نہایت ہمدردی کے ساتھ ان کی صحت کو محفوظ فرمانے کی کوشش کی۔ مولےٰ تعالیٰ ان تمام کرمفرما حضرات کو دینی و دنیوی ترقیوں سے نوازے۔ آمین۔

مدیران اخبار و مطابع کی خدمت میں

مدیران اخبار مسلمان۔ پاسبان آزاد، جنہوں نے ہمارے دارالعلوم کی مختلف وقتاً فوقتاً کارروائیوں کی رپورٹ کو شائع فرمایا۔ اور جناب مولوی عبدالمتین صاحب مالک بلکیٹرک قومی پریس بنگلور اور مالک ہمدرد پریس اندرون عزیزیہ بازار احاطۂ مسجد والاجاہی مدراس ۵ جنہوں نے ہماری مطلوبہ ضروریات کی اشاعت کو مقدم فرما کر ہمت افزائی فرمائی ہم ان تمام کے تہ دل سے مشکور اور دست بدعا ہیں کہ اللہ رب العزۃ دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم۔

نیز **میزان العقائد** حضرت مولانا ابوالحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ جس میں عقائد سے اجمالاً جامع بحث کی گئی ہے۔ منظر عام پر آچکی ہے۔

نقل سپاسنامہ بخدمت جناب عالی پروفیسر ہمایوں کبیر صاحب

وزیر پٹرولیم اینڈ کیمیکلس (گورنمنٹ آف انڈیا)

یہ وہ سپاسنامہ ہے جو ۷ رجولائی ۱۹۶۴ء کو ہندوستان کے مرکزی وزیر عالیجناب پروفیسر ہمایوں کبیر صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا (ادارہ)

جنابِ والا! ویلور کو دوسری بار آپ کی تشریف آوری سے آپ کی شخصیت گرچہ ہمارے لئے کوئی اجنبی نہیں ہے' لیکن آج آپ کا ایک ایسے مقدس ذوالنور والسرور مقام پر تشریف لانا جو اپنے اندر سو صد سالہ زرین تاریخ رکھتا ہے اور جہاں سے اب تک تشنگان علوم و معرفت کی سیرابی ہوتی رہی ہے' جہاں عَلَم ملتِ اسلامیہ کو فروغ ہی فروغ ہوتا رہا ہے۔ ہمارے لئے انتہائی مسرت افزا اور قابل افتخار ہے۔ ہم بزرگانِ حضرت مکان و اساتذہ و طلبۂ دار العلوم مکان حضرت قطب ویلور کی جانب سے تہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔

جس وقت آپ بحیثیت وزیر تعلیم ملک کے سامنے آئے یقیناً آپ کی بے مثال کارگزاریاں ناقابل فراموش ہیں۔ سائنسی ریسیرچ کے تحت آپ کے غیر ممالک کے دورے اور وہاں محققانہ تقاریر کی مقبولیت اظہر من الشمس ہے۔

مولانا آزاد کے بعد صحیح معنی میں آپ نے انکی جانشینی کا حق ادا فرمایا اور آپ ہی کی ذاتِ گرامی نے اس خلا کو پُر کیا۔ آپ کی تصانیف' آپ کی علمی قابلیت و ذہنی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں۔ جن کے ایک ایک حرف کی داد دنیا دے رہی ہے' اور مستفید ہو رہی ہے۔ آپ کی بلند خیالی پر ہمہ وقت دنیا نے لبیک کہا ہے۔ آپ کی بے مثال فکر و تدبّر کو ہمیشہ لوگوں نے قبول کیا' اور گلے لگایا۔ ملک کے اندر آپ اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہ واحد ذات ہیں جسکے سینے میں ملک و قوم و ملّت کی سچی تڑپ اور ان کے عروج و ارتقاء کا صحیح درد موجزن ہے۔ ہمیشہ آپ نے ملک کے مختلف گوشوں میں جاکر ملک کے اتحاد پر بیحد زور دیا اور شروع ہی سے اسکے کوشاں رہے۔ آپ کی وسعت خیالی کی داد دئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ آپ نے علوم مشرقیہ و مغربیہ دونوں کا بنظر غائر مطالعہ فرماتے ہوئے ملتِ اسلامیہ کو جدید روشنی میں سمجھا اور اسی کی روشنی میں اسلام کے صحیح رُخ کو عوام تک پہنچانے کی کوشش کی۔ جسطرح آپ کی تصانیف مقبول خاص و عام و ہر پیر و جوان رہی، اسی طرح آپ کی شخصیت عمومی مقبولیت کی حامل رہی، اور رہے۔ ممالک مشرقیہ میں آپ کے تعلقات بہت زیادہ وسیع تر اور ہیں جسطرح آپ نے علوم مغربیہ کے مختلف اداروں میں جاکر اپنی فکر صحیح سے طالبین کی رہنمائی فرمائی' اسی طرح آپ مشرقی علوم کے اداروں میں بھی اپنی فکر صحیح سے طالبین کی رہنمائی فرماتے رہے ہیں۔ بہرحال آپ ملک و قوم کے سچے ہمدرد و رہنما رہے ان صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ حاضر جوابی خدا کا خاص فضل و کرم آپکے شامل حال رہا ہے جو شاذ و نادر افراد میں پایا جاتا ہے۔ کسی بھی سوال کا جواب باصواب جس حال میں رہے فوراً دیا۔ تعلیمی شعبے کے بعد جب آپ آثار قدیمہ کے محکمہ کے وزیر ہوئے تو آپ نے سلاطین ماضیہ کے کارہائے نمایاں کو بحسن و خوبی محفوظ فرمانے کا انتظام بلاغت نظام فرمایا اور اب جبکہ آپ محکمۂ پیٹرول و کیمیکلس کے وزارتی عہدے

پر فائز ہیں، قوم و ملک کی ترقی کی وہی لگن و دھن ہے۔
حق گوئی و بے باکی آپ کے اوصاف حسنہ سے ہیں۔ جہاں کہیں بھی تشریف لے گئے یہ وصف تحسین آفریں آپ کا نمایاں و تاباں رہا ہے ہمیشہ آپ زمانے کے رُخ کو سازگار بنانے کی فکر و تدبیر میں رہے اور آج جبکہ ہمارے سامنے جلوہ فگن ہیں ہمارے نونہالان

گلشن لطیفیہ آپ کی باصواب رائے و صحیح تدبیر و رہنمائی کے منتظر ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ آئندہ زندگی میں بھی ملک قوم و ملّت کے سچّے و ہمدرد و رہنما ثابت ہوں گے۔
مولیٰ تعالیٰ آپ کو ہر آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے اور قوم و ملّت کے خدمت کی پوری توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

منجانب انجمن دائرۃ المعارف دار العلوم لطیفیہ

مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ ۷ جولائی ۱۹۶۴ء
(روز سہ شنبہ)

(بقیۂ صفحہ ۱۷)

ہمیشہ ایک بلند نصب العین ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ جب تک انسان کے پیش نظر کوئی بلند نصب العین ہوتا ہے، اس وقت تک ہر لحظہ تڑپتی ہوئی تمنّائیں اور آرزوئیں، پیدا ہوتی رہتی ہیں اور وہ تمنّائیں جہد پیہم پہ اُبھارتی ہیں۔ تو بنو اُمنگوں کی تخلیق، زندگی کی ہر تلخی کو لطیف تبسّم میں بدل دیتی ہیں جس سے زندگی کے سمندر میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے۔ اُمیدوں کی کروٹوں ہی سے رگوں میں گرم گرم خونِ حیات جوش مارتا ہے۔
ایک مومن کی زندگی کا محور اور بلند نصب العین ہر حال میں خالق کائنات کی رضاجوئی ہے۔ اس کے دل میں سوتے اُٹھتے بیٹھتے صرف اس کی یاد ہوتی ہے۔ کائنات میں اس کے غور و فکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی قدرت، صنّاعیت اور حکمت بالغہ کو پہچانے۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبھم و یتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔
یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو زمین میں فسادوں کو ختم کر کے حکومت

الٰہیہ کا قیام فرماتے ہیں۔ ظلم و ستم کے نشیمن کو پھونک پھونک کر عدل و انصاف کا پرچم لہراتے ہیں اور عالم میں امن عامہ قائم کرتے ہیں، اور کائنات کے ذرے ذرے سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی نورانی صدائیں گونجتی ہیں۔ یہی وہ مردانِ حق صاحب اعمال صالح ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض
وہ قانون الٰہی کو ہاتھ میں لیکر آگے بڑھتا ہے اور سارے غیر الٰہی قانون کو باطل قرار دیتا ہے۔ اور اسی ایک اصول کو ذریعۂ فلاح و بہبود ثابت کرتا ہے اور اپنے عمل سے یہ بتا دیتا ہے کہ انسانیت کی سوکھی ہوئی کھیتی صرف اسی ایک اصول سے لالہ زار ہو سکتی ہے۔ اسی ایک ذریعے سے مقصدِ حقیقی تک پہونچا جا سکتا ہے۔ حیاتِ جاوید کا حقیقی راز اس میں پنہاں ہے۔ بلندی و سرفرازی اسی میں پوشیدہ ہے۔ بحر و بر کی حکمرانی اس سے ملتی ہے تسخیر کائنات اسی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

Scanned with CamScanner

وقت کی پکار

از حضرت مولانا
ابوالحسن صدرالدین
سید محمد طاہر صاحب
قادری، بی اے
ناظم
دارالعلوم لطیفیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہزاروں درود اور ہزاروں سلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی صفات پر جو محبوب رب العالمین و رحمۃ للعالمین ہیں۔

ایک حکیم دانا سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو کب تک علم حاصل کرنا چاہئے۔ اس نے جواب میں کہا کہ جب تک حیات مہربان رہے۔

علم ایک عمدہ نعمت اور سرمایۂ حیات ہے، علم کی وہ روشنی ہے جس سے آدمی دانا و بینا ہوتا ہے طبیعت میں جولانی پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک بنتا ہے، اور اس میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ پاکیزہ اور شائستہ زندگی اختیار کرتا ہے اور سوسائٹی میں باعزت مقام حاصل کرتا ہے۔ اسطرح ایک اور حکیم دانا کا قول ہے کہ علم جیسی عمدہ نعمت کے پھیلانے میں جو بھی صرف کریگا، اسکی مثال ایسی ہے کہ کسی کنوئیں کا پانی جب خالی کیا جاتا ہے تو تھوڑی ہی دیر بعد پہلے جتنا تھا اتنا ہی رہتا ہے اور کنواں کبھی خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ بھرا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ سلف کے لوگوں میں علم کا شوق زیادہ تھا۔ اور علم کے پھیلانے میں زیادہ کوشاں رہتے تھے۔ خالق کائنات نے بھی انہیں دین و دنیا کی دولت سے نوازا تھا لیکن موجودہ دور میں بے لبی و بے حسی حد سے فزوں ہو چکی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جابجا جہالت کی تاریکیوں نے لوگوں کو علم کی اُن برکتوں اور فائدوں سے بھی محروم کر دیا ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے۔

کمال افسوس کے ساتھ چند عبرت انگیز واقعات ناظرین کے لئے پیش کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

بیجاپور کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت اتنی ابتر ہے کہ اکثر مسلمان جہالت اور تاریکی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لاعلمی کی وجہ سے مذہب سے بہت ہی دُور ہو چکے ہیں۔ ان کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے پنڈت وہاں کے مسلمانوں میں اپنا مذہب پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں، چنانچہ چند سال قبل وہاں کے چند مسلمانوں نے پریشان ہو کر بنگلور کو ایک تفصیلی خط لکھا کہ یہاں مسلمانوں کی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہے، لہٰذا چند علماء کو روانہ کریں تاکہ وعظ وغیرہ کے ذریعے اسلام کے صحیح اصول اور خوبیاں بیان کریں اور اسطرح انہیں کفر میں مبتلا ہونے سے بچا لیا جائے۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجئے کہ ہمارے ہی علاقہ مدراس میں حکومت کے بہت بڑے آفیسر صاحب کے ایک خاص فرد، جو گریجویٹ ہیں اپنے ہی مذہب سے اتنے لاعلم ہیں کہ انہیں اور ان کی اہلیہ کو نماز، وضو، وغسل کے فرائض تک معلوم نہیں۔۔۔!

اب بتائیے کہ جب انہیں وضو کرنا نہیں معلوم اور نہ نماز پڑھنی آتی ہے اور نہ ہی غسل کا طریقہ جانتے ہیں تو ان کی مذہبی حالت کیا ہوگی! جب یہ مذہب سے اتنے بے خبر ہیں اور ایمان کی چاشنی اور حقیقی لذتوں سے دُور ہیں تو ان کی مابعد والی

نسلوں کا کیا حال ہوگا۔ یہی حالت عام طور پر اکثر جہلا طبقہ میں بیڑی سازوں اور ٹانگے والوں میں پائی جاتی ہے۔ آجکل اسکولوں میں جو لادینی تعلیم دی جارہی ہے اس کا بھی لازمی نتیجہ یہی ہو رہا ہے کہ مسلمان بچے اپنے مذہب سے لاعلم اور بہت دُور ہوتے جارہے ہیں۔

جنوبی ہند کے بعض مقامات میں مسلمانوں میں غیر اسلامی عقیدے پھیلتے جارہے ہیں حتیٰ کہ بعض جگہوں پر مسلمان بچوّں کے ہندو نام رکھے جاتے ہیں اور مزید اس پر یہ کہ ہندو مسلک کے مطابق ایک مسلمان نے اپنی حقیقی بھانجی سے نکاح کرلیا ہے۔ ایسی بہت سی چیزیں منظرِ عام پر آرہی ہیں جن کا تدارک فوری طور پر ضروری اور لازمی ہے۔ دیگر بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں لوگوں کو شادی، طلاق، خلع و دیگر احکامِ شرعیہ سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔

وقت کا تقاضا ہے کہ ہر شہر اور دیہات میں اور ہر کوچہ و محلہ کی مسجد میں ایک ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور مسجد ہی کے امام کی تنخواہ میں اضافہ کر کے مدرس کا بھی کام سپرد کیا جاسکتا ہے اس طرح ہم بہترین طریقہ پر اپنی قوم و ملت کی خدمت کا کام انجام دے سکتے ہیں۔ شہر و دیہات و محلہ کے بچوّں کو چاہئے کہ انگریزی سکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے یا اور کوئی پیشہ کرتے ہوئے اپنی دینی اور روحانی تعلیم بھی ان مدرسوں میں ایک وقتِ مقررہ پر تھوڑی دیر حاصل کریں۔ تاکہ ضروریاتِ دین پورے ہو سکیں مثلاً نماز روزہ وضو و غسل وغیرہ کے فرائض و سنن سے واقف ہوجائیں اور اس سے ان کی دین و دنیا کی زندگی بہتر ہوجائے۔

قوم کا ایک بہت بڑا طبقہ جو ان نعمتوں سے محروم ہے شرک و بدعت جیسی رسومات میں مبتلا ہے۔ قوم کے خوش نصیب و خوش حال لوگوں کو چاہئے کہ اپنے اسلاف کی طرح ان نونہالوں کی اصلاح اور ان سے جہالت کی تاریکی دور کرنے کی سعی بلیغ فرمائیں، جس طرح رات کی تاریکی ختم ہو کر صبح کی روشنی پھیلنی شروع ہوتی ہے اسی طرح یقیناً ایک نہ ایک دن گھر گھر علم کا چرچا ضرور ہو جائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اس وقت کی پکار کو مقبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو دینِ اسلام کے بلند پایہ اصولوں پر پابند و قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرث الدنیا

مولانا ابو المعالی علوی صاحب
مدرس دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
قال تعالیٰ وما ھٰذہ الحیوٰۃ الدنیا الّا لھو ولعب وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان لوکانوا یعلمون ۔
اخوانی قد مثل اللہ الحیوٰۃ الدنیا باللعب واللھو و لبعض امور اللعب واللھو سریعۃ الزوال بالنسبۃ الی الامور الاخریٰ مثلاً ان لھوالفرد والناتك والکمالا السرکس وغیرھا بقاءھا الیٰ ساعۃ فقط ثم تزول و تنقطع فعلم ان بقاء الدنیا قلیل جداً وایضاً ان من حیی فی الدنیا الف سنۃ لونظر الیٰ حیوٰۃ الاخرۃ یتخیل الیہ ان حیوٰۃ الدنیا لیست الا ساعۃ و یقول الکافر المعمر فی الدنیا الف سنۃ ما لبثت غیر ساعۃ وایضاً کما لا یکون باللعب واللھو الّا تضییع الاوقات وانفاق الفلوس من غیر فائدۃ کذلك لا یکون لاھل الدنیا لحیوتھم الدنیویۃ مفاد فی الاخرۃ - اخوانی قد بین اللہ فی القرآن المجید ان حیوٰۃ الدنیا لھو ولعب ثم ان اللھو واللعب ما لا یکون لہ حقیقۃ سوی ان یری شیئ یجیئ ویذھب مثل الظلۃ کما فی البیسکوپ لانہ لیس ھناك شیئ سوی ضوء القندیل وبتصویرات القرطاس ولکن اھل اللعب ینظرون حرباً عظیماً وقتلاً کبیراً وفی جانب یجلس الملك علیٰ سریرہ وحولہ کثیر من عسکرہ قیام ولیس ھناك الاشعاع القندیل فاذا اطفئ القندیل وزال الشعاء فلا یکون ھناك شیئ مما کانوا یبصرون ثم انہ یشتبہ ان اذا کان ھذا العالم کلہ دنیا فاین الاخرۃ وما ھو طریق تحصیلہ فجوابہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الدنیا مطیۃ الاخرۃ فالتی تکون ذریعۃ لتحصیل الاخرۃ فھی من الاخرۃ و ان کانت علیٰ صورت الدنیا کما قال مولانا رومؒ :-

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نہ قماش ونقرہ و فرزند و زن

یعنی ان کلھا یشغلك عن اللہ فھو من الدنیا وان کلما یکون ذریعۃ لتحصیل الاخرۃ فھو من الاخرۃ کالمواساۃ والتصدق علی الغرباء والمحتاجین ولتشییع العلوم الدینیۃ ببناء المدرسہ الدینیۃ فان ھذا کلہ من الاٰخرۃ فای دنیا یصرف ویبذل فی ھذ الامور فھو ایضاً من الاخرۃ الحمد للہ بسعی اعلیٰحضرت مدظلہ العالی واخویہ ینتشر العلوم الدینیۃ من مدرستنا لان کل سنۃ یخرج الطلاب محصلین وینشرون

العلوم الدينية فی الافاق هذا كله من فيضهم
وبركة آباءهم طال الله عمرهم ووفقهم
لمزيد الاشاعة ـ

فالدنيا المذمومة فی الآية الشريفة
فهو ما يشغلك عن الله تعالى وفيه قال صلى
الله عليه وسلم الدنيا ملعونة وطالبها
كلاب يعنی ان الدنيا كالميتة وطالبيها
كالكلاب (فائدة) اعلم ان وجه تخصيص الكلاب
بالتمثيل مع ان الغراب ايضا ياكل الميتة
هو ان فی الكلاب خصلة قبيحة ليست فی الغراب
وهی انه اذا نظر كلب ميتة وان كانت كبيرة
فيقصد ان ياكلها واحدا ولا يدع كلبا اخر
ان يقربها واذا اتفق مجيئی كلب اخر من هناك
فينبح ويعض ويطرد وهذه الخصلة ايضا
موجودة فی اهل الدنيا فانهم لا يرضون ان
يشترك احد فی دنياهم وان اشتركوا فيريد
كل منهم ان يخص نفسه بها ويمنع رفقاء و
شركاء لا بتحصيل المنفعة منها ولهذا خص
التمثيل بالكلب ـ

اخوانی لاهل الله فی ترك الدنيا حصة عجيبة
وغريبة يتجدد بذكره نور الايمان وقد كتب
فی تاريخ ابن خلكان وغيره فی احوال داؤد
الطائی رحمة الله عليه انه قد قدم محمد بن
قحطبة الكوفة فقال احتاج الى مؤدب يؤدب اولادی
يدرس كتاب الله وتعليم سنة رسول الله صلى الله
عليه وسلم والفقه والشعر فقيل له ما يجمع هذا
العلوم الا داؤد الطائی فارسل بدرة عشرة آلاف
درهم وقال استعن بها على دهرك فردها فوجه
اليه بدرتين مع مملوكين قال لهما ان قبل البدرتين
فانتما حران فمضيا بهما اليه فابى ان يقبلهما
فقالا ان فی قبولهما عتق رقابنا من الرق فقال
لهما وفی ردهما عتق رقبتی من النار فردهما
قال ابو الربيع دخلت على داؤد الطائی بيته فقرب
اليه كسرات يابسة فعطشت وتمنت الى دن فيه
ماء حار فقلت يرحمك الله لو اتخذت غير هذا يكون
فيه الماء البارد فقال اذا كنت لا اشرب الا ماء بارد
اولا اكل الا طيبا ولا البس الا لينا فما ذا ابقيت لآخرة

اخوانی هذه كانت عادت نبينا صلى الله عليه
وسلم وكان لا يهتم للاكل والشرب اهتماما خاصا
فقطكان ياكل فی اكثر الاوقات خبز الشعير بلا ادم
ويبلعه بالماء ويلبس ثوبا ضاحما وخشنا ـ

اخوانی هذا اتباع سنة رسول الله تعالى كان
يفعله اهل الله ولكن نحن الآثمون وعبدة الانفس
محرومون فاعتبروا يا اولی الابصار ـ وقوا انفسكم
عن اتباع الشهوات فانه يكون حسرة وندامة فی
الاخرة قال مولانا رومؒ ـ

ایں جہان و آں جہاں فانی بود
غیر یادش جملہ نا دانی بود
یاد او سرمایۂ ایماں بود
ہر گدا از یاد او سلطان بود

فقط

شانِ مومن

از محمد طیب الدین صاحب
اشرفی مدرس دار العلوم لطیفیہ
مکان سنت حضرت قطب ویلور

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اللہ تعالیٰ اپنے کلام معجز بیان میں مومن سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمارہا ہے کہ کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ (آل عمران)

اللہ تعالیٰ کی ذات متعال منبع خیر و کمال ہے اور وہ غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کے لفظ سے یاد فرمارہا ہے جنکی بلند ترین صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہر حیثیت سے ایمان و یقین کامل رکھتے ہیں۔ اور وہ دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں کو امر الٰہی و احکام الٰہی کے بجالانے کا حکم دیں اور اس پہ بالالتزام پابندی کی ترغیب لائیں اور پھر اُن چیزوں سے روکیں جو غضب الٰہی کا سبب ہو اور جو بندے کو مولیٰ سے عبد کو معبود سے جدا اور دُور کرنے والی ہے، یہ خیر کا لفظ پروانۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبعِ خیر و کمال سے کمال قربت کی دلیل ہے جو دنیا میں کسی امت کو نصیب نہ ہوا" اس لئے کہ جب ذات رب سرچشمۂ خیر ٹھہری تو یقیناً یہ کہنا پڑیگا کہ کہ خیر کے لفظ سے یاد کیا جانے والا بھی سرچشمۂ خیر سے اتنا قریب ہوچکا ہے کہ جس کے سرا پا وجود سے بوئے بشر فنا ہوچکی ہے۔ کیونکہ بہترین انسان بہترین آدمی بہترین شخصیت کا مالک اسی کو کہا جاتا ہے جو کمال اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو جو تخلقوا باخلاق اللہ کا کامل و مکمل مظہر ہو۔ یہی تو وجہ ہے کہ جب اسکی ذات سے بوئے بشر فنا ہوگئی تو تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر کا حامل قرار دیکر اس کا بہترین تعارف کرایا گیا اور وتؤمنون باللہ اسکی بلند ترین نسبت وصفت ظاہر کی گئی۔ جو ہر حیثیت سے اول و آخر ہے۔ جس نسبت کی وضاحت الذین امنوا اشد حبا للہ' کا مضمون کررہا ہے۔ اس لئے کہ ایمان باللہ کا تعلق مستحکم و مضبوط اور اسکی بقا عطا کرنے والا صرف حب اللہ ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مومن کامل کی تعریف یہ ہوی کہ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو بے دلیل برہان از روئے جان ایسا مانے کہ اس کے جسم خاکی سے بوئے جان آنے لگے ؎

لالہ بگو از روئے جاں
تا ز اندامِ تو آید بوئے جاں

ناظرین یہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ بظاہر دیکھنے میں کتنا سادہ جملہ معلوم ہوتا ہے اور کتنی آسانی سے ہم آپ اسے روزانہ پڑھ لیا کرتے ہیں لیکن اس کے اندر ایک فیصلہ کن اقرار اس کے دور رس معنوی نتائج پہ غور کیجئے تو معلوم ہوجائیگا کہ ایک انسان جب اسے پڑھ لیتا ہے تو

حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین صاحب سیدہ محمد طاہر شاہ صاحب قادری دامت برکاتہم العالیہ ناظم دار العلوم لطیفیہ کی فرمائش پر شانِ مومن ہدیۂ ناظرین

اسی وقت اسکی روشنی میں صنم کدۂ جہاں میں حق کے مقابلے میں اٹھنے والے ہنگامے کا مشاہدہ کرسکتا ہے اور وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس سادہ جملہ کے اندر پورا قانون شریعت محفوظ ہے جو باطل کے سارے نظاموں کو چیلنج کر رہا ہے جو ماننے اور اقرار کرنے والے سے سارے مطاعوں کی نفی کے ساتھ صرف اللہ قادر مطلق کی اطاعت کا اقرار لیتا ہے۔ یہ سادہ جملہ جس طرح خدا کی شان کو واضح کرتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود اور حاکم مطلق نہیں، اسی طرح بندے کو بھی اس کی شان سے آگاہ کرتا ہے کہ اب اسکی پیشانی سوائے آستانۂ الٰہی کے کسی اور آستانے پر ہرگز جھکنے کے لائق نہیں، اس لئے کہ عبداللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی اور کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالے۔ اور عبد کامل کے اسوۂ حسنہ کے علاوہ کوئی اور طریقہ قابل عمل سمجھے کیونکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے راہبر کے سامنے کسی اور راہبر رہبری کی کوئی حیثیت نہیں۔

ایک مومن اللہ کی اطاعت اس یقین کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ غیراللہ کی بغاوت کا اعلان بھی کر رہا ہے جسکی شان یہ ہے کہ اس کا ہر قدم مظلوم انسانیت کی پشت پناہی و انصاف جوئی کے لئے اٹھتا ہے جو کبھی مایوسی اور خوف شکست سے دوچار نہیں ہوتا وہ حریت کا علمبردار مادیت سے منہ موڑ کر صرف خلاق دو عالم پر بھروسہ کرتا ہے اور بجز اس کے کسی کے آگے نہیں جھکتا۔ اس کے سوز باطن سے کوئی مادی قوت آنکھ نہیں لڑا سکتی، وہ لا الٰہ کی شمشیر سے تمام طاغوتی طاقتوں اور سرکش قوتوں کو خاک و خون میں لتھیڑ دیتا ہے، اور الا اللہ کے دست تعمیر سے امن و سکون کے دارالسلام کا سنگ بنیاد رکھتا ہے۔ وہ خوددار و خودشناس ہے، جس کے آغوش سخت کوش میں بحر و بر کے طوفان پرورش پاتے ہیں۔ جس کا تدبر برق و باد کو لگام لگاتا ہے، جو عناصر کا فاتح اور اسرار حیات کا رازدار ہے۔ جو گلستان میں حق و صداقت [illegible]

اور بیابان میں بطلان و سرکشی کے عقاب و شاہین کا صیاد ہے، جس کا وجود محفل بزم کیلئے دل افروز ساز اور میدان رزم کے لئے آہن گداز تلوار ہے اور جس کے تمام اعمال و اقوال خیر و شر کے لئے حجت قاطع ہیں۔

مومنے بالائے ہر بالا ترے
غیرت او بر نتابد ہمسرے
می کشد بار دو عالم دوش او
بحر و بر پروردۂ آغوش او
پیش باطل تیغ و پیش حق سپر
امر و نہی او عیار خیر و شر

ایک مومن کی زندگی اور موت اپنے لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ ان کا طریقۂ عمل قوموں کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور ان کے نقوش پا قوموں کے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں، اور جب وہ اللہ کے لئے مرتا ہے تو حق و باطل کے دوراہے پر اپنے گرم و سرخ خون کی ایک ایسی ان مٹ لکیر کھینچ دیتا ہے جو پیچھے آنے والے رہ نوردان حق کے لئے نشان منزل ہوتا ہے اور اس کا درخشاں اور باطل کی نگاہوں کو خیرہ کرتا ہوا خون باطل کا منکر اور حق کی حقانیت کا قیامت تک شاہد ہوتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو اس کو زندۂ جاوید بناتی ہے جس کو فنا سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔

"ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"

ایک مومن کو اس کی موت میں زندگی کا سوز ملتا ہے۔ وہ اس خاک کے ذروں سے حیات کے بے شمار سوتے ابلتے ہوئے دیکھتا ہے اس کے خون کا ہر چھینٹا سیکڑوں زندگیوں کی آبیاری کرتا ہے۔ وہ جب دنیا میں آتا ہے تو پہلے اپنی حقیقت پر نگاہ ڈال کر اپنے آپ کو جانتا

۵۸۹/۹۲

اخلاقِ طیبہ

از
محمد طیب الدین
اشرفی مونگیری

اخلاق آں قوت انسانی را گویند کہ در انسان پنہان است و انسان بذریعۂ او ہیچ امرے را بغیر غور و فکر انجام می دہد۔

ارسطو و محقق دوانی و مسٹر جوآن در تعریف او می گویند علمی کہ دراں بر عادات انسانی ازیں حیثیت بحث کردہ شود کہ دراں صواب خیر، خطا و شر کیست و جملہ احکام او بشکل ترتیب یافتہ شوند۔ رد جرس می گوید کہ اخلاق آں علمے را گویند کہ ازو حقیقی قدر و قیمت صحیح مقاصدِ عاداتِ انسانی را متعین کردہ شود۔

خلاصۂ آں ہمہ تعریفہا اینکہ احتیاج در طبیعت انسانیہ با انسان دیگر چناں خواہش سلوک در و پیدا کند کہ از آں بذاتِ خود ہیچ نقصانے نہ بردارد، و دیگراں را نیز اندیشۂ نقصان نہ شود، یعنی نام لا ضرر و لا ضرار را اخلاق می گویند۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تعریف اخلاق بایں الفاظ می کنند کہ یعرف الخلق الحسن انہ اصلاح القوی الثلاث قوۃ التفکر وقوۃ الشہوۃ وقوۃ الغضب ای اخلاق حسنہ اصلاح سہ قوۃ را گویند یعنی قوت فکر، قوت خواہش۔ قوت غضب۔

وازیں طور در مقام دیگر بیان می فرمایند کہ یعرف الخلق الحسن یفعل ما یکرہ المرء ویستشہد بالحدیث حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات وبالآیۃ وعسی ان تکرہوا شیئًا وہو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئًا وشر لکم یعنی اخلاق حسنہ آں است کہ انسان براں عمل کردن گراں معلوم می شود۔ حدیث نبوی بریں دلیل است کہ جنت از اشیاء مکارہ پوشیدہ است و نار از خواہشات پُر کردہ شدہ است و از آیۂ دلیل این است کہ چیزے را کہ شما مکروہ می فہمید و آں برائے شما بہتر است و چیزے را کہ شما او را محبوب و مرغوب می دانید و آں برائے شما ضار است و نیز متعلق آں کلام می فرمایند کہ واما حسن الخلق فان یزیل جمیع العادات السیئۃ التی عرف الشرع تفاصیلہا ویجعلہا بحیث یبغضہا فیتجنبہا کما یتجنب المستقذرات وان یتعود العادات الحسنۃ ویشتاق الیہا فیوثرہا ویتنعم بہا یعنی معنی حسن خلق این است کہ ہمہ عادات ناپسندیدہ را کہ شریعت تفصیل او بیان کردہ است آنہا را زائل کند و ازاں نفرت کند و ازاں ہمہ بایں طور پرہیز کند چنانکہ از چیزہائے پلید اجتناب می کند و بہر اخلاق حسنہ آراستہ شود کہ در دل رغبت او پیدا شود و آنہا را اختیار کند کہ تا ازاں لذت حاصل شود و در اسلام نظریۂ اخلاق این است کہ افعال حسن و قبیح باعتبار نتائج معلوم کردہ شود، واللہ تعالی ہمہ افعال حسنہ و سیئہ ظاہر کردہ است ازیں وجہ قانون شریعت ہر آں افعال کہ اجازت آنہا دادہ است اخلاق حسنہ اند و افعالیکہ از آنہا ممانعت کردہ است در اخلاق سیئہ داخل اند۔

پس انسان امور یکہ در حیاتِ خود مطابق حکم الٰہی انجام دادہ

است اسلام او را عبادت شمرده و اخلاق حسنه گفته است. پس نماز، روزه، حج، زکواة در اخلاق حسنه اند و بالجمله آنکه همه حقوق اللہ وحقوق العباد برعایت تمام از وست.

هرکه از اخلاق حسنه آراسته و پیراسته شد او نزد خدائے تعالیٰ و مخلوق او مقبول و محبوب است. چنانکه اللہ تعالیٰ فرموده که اے اولاد آدم شما عبادت پروردگار می کنید که او شما و بزرگان شما پیدا کرده است تا شما متقی باشید، و در مقام دیگر می فرماید که متقی آنها مردمان اند که در حالت فقر و یُسر در راهِ خدا خرچ می کنند و بر غضب خود قادر و خطاء مردماں را در گذر کنند. و رسول علیه السلام فرموده اند که شما را بر ذاتِ خود خلق حسن را لازم باید کرد، زیرا که در مردماں هرکه از اخلاق حسنه متّصف است، دین او از همه افضل است، و نیز فرموده اند که سعادت انسان در اخلاق حسنه است، و شقاوت او در بد خلقی پنهان است و نیز فرموده که هرکه از حسن خلق آراسته است دلیل محبت الٰہی است وهرکه بدخلق در غضب الٰہی مبتلا گردیده است.

دُعا بعد نمازِ جنازہ

از مولٰنا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی
مدرس سینئر دارالعلوم لطیفیہ ویلور

دُعا بعد نمازِ جنازہ کے مسئلہ میں لوگوں کے رد و انکار اور مختلف الرائے ہونے کی وجہ سے حسب فرمان گرامی قدر عالی مرتبت جناب مولانا ابو الحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی ناظم مدرسہ لطیفیہ ویلور' یہ مضمون معرضِ تحریر میں لایا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون من عبادتی سیدخلون جہنم داخرین اس آیۃ کریمہ میں بندوں کو دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اور اس سے اعراض پر تخویف وتہدید کی گئی ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ آیت کے شروع میں اُدعونی کہا گیا ہے' جو دُعاء سے مشتق ہے اور آخر میں ترھیب تخویف کے موقع پر عن عبادتی فرمایا گیا ہے' جو عبادت سے مشتق ہے۔ بظاہر آیت کے دونوں حصّوں میں توافق اور ربط نہیں معلوم ہوتا اور یہ کلام عام شہا کا نہیں بلکہ کلام الملوک ملوک الکلام کے مطابق بلاغت کی اعلیٰ منزل یہ ہے۔

اس لئے مطابقت پیدا کرنے کے لئے یا یہ کہا جائے کہ دعا عبادت کے معنی میں ہے یعنی اُدعونی' اعبدونی کے معنی میں ہے یا اس کے برعکس عبادت کو دعا کے معنی میں قرار دیا جائے اور کہا جائے کہ عبادتی' دعائی کے معنی میں ہے۔ احتمال دونوں برابر ہیں۔ اس لئے تعیین مراد کے لئے شارع علیہ السلام کے کلام کیطرف رجوع کیا گیا۔ آپ نے فرمایا الدعا مخ العبادۃ دُعا عبادت کا مغز ہے۔ اسکی تائید میں یہی آیت کریمہ آپنے تلاوت فرمائی جس سے معلوم ہُوا کہ آیت کریمہ میں دعا کو عبادت کہا گیا ہے اور عبادتی سے مراد دعائی ہے۔ اس سے دعا کی جو عظمت واہمیت ظاہر ہو رہی ہے' وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔

اسی اہمیت کو بتانے کے لئے آیت کی ابتدا قال ربکم کے لفظ سے ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے لیکن پھر بھی اسکو صراحتًا فرمایا تاکہ یہ کلام اور زیادہ قوی التاثیر ہو' کہ مخاطب پہلے ہی لمحہ میں سمجھ جائے کہ اس کا کہنے والا کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ وہ ہے جو تمام جہاں کا پالنہار ہے۔ اس کے بعد کے کلام کی عظمت ووقعت اچھی طرح دل میں راسخ ہوگی۔ اور ربکم میں وصفِ ربوبیت کو اختیار کرکے اس طرف اشارہ کیا کہ ہم تو تمہاری پرورش ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں تمہاری درخواست کے بغیر بھی تمہاری ضروریات پوری کی ہے تو کیا تمہاری درخواست ودُعا کو ہم قبول نہ کرینگے' بلکہ ضرور قبول کرینگے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دعا پورے عجز وفروتنی اور حضورِ قلب کے ساتھ ہو کہ یہی دُعا کی حقیقت ہے۔

حدیث شریف میں ہے ان اللہ لا یستجیب الدعاء من قلب لاہ اور آیت کریمہ انی وجہت وجہی میں وجہی سے بھی مراد یہی قلب ہے ورنہ آیت کے ظاہری مفہوم کی تقدیر پر اللہ تعالیٰ کا ذو جہت ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہوگا کہ میں نے اپنا چہرہ خدا کی طرف کیا تو اس صورت میں جس سمت اس کا چہرہ ہوگا لازم آئے گا'

کہ ذات باری بھی اسی سمت میں ہو اور اللہ تعالیٰ کا کسی خاص سمت میں ہونا محال ہے کیونکہ وہ تمام قیود سے منزہ ہے۔ کما بیّن فی موضعہ لیکن اس نفی قیود و حدود سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ذاتِ باری میں تشخص و تعین بھی نہیں اطلاق محض ہے، کیونکہ بغیر تشخص و تعین کے کسی شے کا وجود خارجی محال ہے۔ البتہ یہ تشخص اسکی ذات کے لائق ہے کہ ہم اسکی کنہ و حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔

ممکن ہے کہ یہ شبہ پیدا ہو کہ جس طرح آیت کے ظاہری مفہوم کی تقدیر پہ باری تعالیٰ کا ذو جہت ہونا لازم آئے گا۔ اسی طرح قلب کی بھی کوئی جہت ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں بھی وہی اشکال ہوگا تو جواباً عرض ہے کہ قلب سے مراد یہ مضغہ گوشت نہیں بلکہ ایک شی لطیف مجرد عن المادہ ہے جیسا کہ محققین صوفیا کا یہی مسلک ہے کہ بعض اشیاء مجردات سے ہیں اور ذاتاً و زماناً دونوں طرح حادث ہیں اور جہت وغیرہ کا ہونا مادہ کے لوازمات سے ہے۔ فاتضح المراد واندفع الاشکال یہ بحث تو درمیان میں بطور جملۂ معترضہ کے آگئی۔ اصل گفتگو یہ تھی کہ دعا کی حقیقت سراسر عجز و نیاز اظہار تذلل و عبدیت ہے اور بندے کا یہ فعل اللہ کو بہت ہی محبوب ہے کہ جہاں نیازمندی ہوگی وہاں کبر و خود بینی نہ ہوگی اور یہی کبر و خود بینی بندے اور خدا کے درمیان بہت بڑا حجاب ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری، ردا اور ازاری سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں میرے وصف خاص ہیں۔ کوئی دوسرا ان اوصاف میں میرا شریک و سہیم نہیں ہو سکتا۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ خداوندا مجھ سے قرب و وصال کا جو سب سے قریب راستہ ہو اس سے آگاہ فرمائیں۔ ارشاد ہوا دع نفسک و تعال اپنی خودی و انانیت کو ختم کر دو پھر لذت وصال حاصل ہوگی۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظؔ از میاں برخیز

اور دعا سے بندہ اللہ کی بارگاہ میں اپنے عجز و نیازمندی کا اظہار کرتا ہے، لہٰذا یہ اللہ سے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم میں دعا کو عبادت کہا گیا۔ حدیث رسول میں دعا کو عبادت کی روح کہا گیا اور دعا کا حکم عموم و اطلاق کے ساتھ دیا گیا۔ فاذکرونی اذکرکم، ادعونی استجب لکم۔ حدیث شریف میں فرمایا اکثروا الدعاء کثرت سے دعا کرو۔ معلوم ہوا کہ دعا خواہ کسی قسم کی ہو دینی ہو یا دنیاوی بشرطیکہ ناجائز امر کے لئے نہ ہو سب عبادت ہے۔ دیگر عبادات مثلاً نماز، روزہ حج، زکوٰۃ وغیرہ کے لئے تو مختلف شرطیں ہیں۔ لیکن دعا کے لئے نہ کسی وقت کی شرط، نہ زبان عربی کی شرط، نہ کسی خاص جہت کی شرط، نہ کسی مقدار معین کی شرط، نہ وضو وغیرہ کی کوئی قید، بلکہ اس میں صرف بندے کی عاجزی و نیازمندی درکار ہے۔ عموم و اطلاق کے سمجھنے کے لئے یہی مذکورہ آیات و حدیث کافی ہیں۔ لیکن قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ بھی عموم عقا مثہ و حالات کو بیان فرمایا ہے۔ فاذکروا اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبکم مفسرین کرام نے ظاہر فرمادیا ہے کہ اگرچہ یہاں تین حالتوں کا ذکر ہے۔ مگر مراد عموم احوال ہے یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو اور دعا بھی ذکر ہے، بلکہ اصل ذکر ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا الدعاء ھو العبادۃ دعا اصل عبادت ہے، لہٰذا اس عموم و کلیہ میں دعا بعد نماز جنازہ کا حکم بھی داخل ہے۔ اور بعد نماز جنازہ دعا کا جواز سمجھ میں آجاتا ہے۔

لیکن اس خاص جزئیہ میں بعض لوگوں کو اختلاف و انکار ہے اس لئے تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کرنی ہے تاکہ یہ عنوان پوری طرح نمایاں ہو جائے اور صحیح راہ عمل متعین کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں مشکوٰۃ کی یہ حدیث صریح ہے اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء جب تم میت پر نماز پڑھ چکو تو اس کے لئے خالص دعا مانگو۔ ف کے معنی حقیقی تعقیب بلا تراخی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد متصلاً دعا کی جائے اور بغیر کسی قرینہ یا دلیل کے معنی حقیقی کو ترک کر دینا اور معنی مجازی مراد لینا جائز نہیں۔ نیز صلیتم ماضی کا صیغہ ہے اور فاخلصوا امر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔

فتح القدیر کتاب الجنائز فصل صلوٰۃ جنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوۂ موتہ کی خبر دی اور اس اثنا میں حضرت زید ابن حارثہ اور حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی یکے بعد دیگرے شہادت کی خبر دی فصلی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم ودعا له وقال استغفروا له یعنی ان پر نماز جنازہ پڑھی، ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس عبارت میں دعا کا عطف صلی پر ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ معطوف علیہ و معطوف میں مغایرت ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی اور استغفروا امر کا صیغہ ہے جو قرینہ ہے اس بات پر کہ یہ دعا و استغفار نماز کے بعد ہوئی۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے ان النبی صلی الله علیه وسلم قرء علی الجنازة بفاتحة الکتاب اس کی شرح اشعۃ اللمعات میں ہے "واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ الآن متعارف است۔

ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ آجکل رواج ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کے زمانہ میں بھی نماز جنازہ سے پہلے اور نماز جنازہ کے بعد سورۂ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے، اور حضرت شیخ عبد الحق علیہ الرحمہ نے اسکو منع نہ کیا بلکہ اسکو حدیث پر محمول کیا۔ حضرت شیخ کی ہستی محتاج تعارف نہیں۔ مخالفین موافقین سب کے نزدیک مسلّم و مستند ہیں۔ ہندوستان میں علم حدیث کا سلسلہ آپ ہی سے جاری ہوا۔ لہٰذا حدیث کی تشریح میں آپکا قول بھی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے واضح الفاظ میں تحریر فرمایا ہے کہ ممکن ہے نماز سے پہلے یا نماز کے بعد برکت کیلئے آپ نے پڑھا ہو۔ ہر ایک صورت جائز ہے۔

اب ہم فقہائے کرام کی بعض عبارتیں پیش کرتے جن عبارتوں میں کچھ اشتباہ یا خفاء ہے اسکی صحیح توجیہہ پیش کرینگے۔

میزان کبریٰ مصنفہ امام شعرانی کتاب الجنائز میں ہے:-
واتفقوا علی ان الاستغفار للمیت والدعاء له والصدقة والعتق والحج عنه ینفعه یہ عبارت بالکل مطلق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے لئے ہر حال میں ہر وقت دعا و استغفار وغیرہ کر سکتے ہیں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

دوسری جگہ مصنف کی عبارت یہ ہے، بخلاف الدعاء للمیت لا یستغنی عنه احد لا حیا ولا میتا۔ یہ عبارت بھی بیان مراد میں بالکل واضح ہے کہ میت کے لئے دعا ہر وقت کر سکتے ہیں، اس سے کوئی کسی حال میں بے نیاز نہیں۔ نہ حالت حیات میں نہ حالت موت میں اس سے بھی میت کے لئے ہر حال میں دعا کی اجازت سمجھ میں آتی ہے۔

فتح القدیر کی عبارت دوسری جگہ یہ ہے واستحسن بعض المشائخ بعد التسلیم ان یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار اور ربنا لا تزغ

قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمۃ انك انت الوھاب بعض مشائخ نے مستحسن سمجھا ہے کہ نمازِ جنازہ میں سلام کے بعد یہ دعا کرے۔ ربنا آتنا فی الدنیا الی الاٰخرۃ۔

استحسان۔ قیاس جلی کے مقابل ہوتا ہے اور قیاس کے مقابلہ میں استحسان کو ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا اصولاً یہی قول مرجح ہوگا۔ اس سے صراحت کے ساتھ دعا بعدِ نمازِ جنازہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ کی عبارت ہے ولا یدعوا للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ اسی طرح بعض دیگر فقہی عبارتیں ہیں جس سے بظاہر نمازِ جنازہ کے بعد دعا کی ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ میّت کے لئے نمازِ جنازہ کے بعد دعا نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ نمازِ جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔ لیکن اگر ادنیٰ تامل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں پر مطلقاً دعا بعد نمازِ جنازہ سے ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ یا تو اتنی طویل دعا کرنے سے ممانعت ہے کہ جسکی وجہ سے دفن میں بہت تاخیر ہو جائے۔ اسی لئے نمازِ جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ دوسرے یہ کہ ممانعت اُس صورت میں ہے کہ اسی طرح صف بستہ بہ ہیئت نماز دعا کیجائے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ نماز ہو رہی ہے کہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے اور ممانعت کی وجہ یہی ہے کیونکہ ایسی صورت میں دیکھنے والے کو دھوکہ ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ میں زیادتی ہوگئی ہے۔ لہٰذا اگر صف توڑ دی جائے اور ہیئت مخصوص میں کچھ فرق ہو جائے۔ تو بلا اکراہ جائز ہے۔ جیسے جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں، تاکہ کسی کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں بالکل نہ پڑھی جائیں بلکہ فرض سے ملا کر اسی ہیئت کے ساتھ نہ پڑھی جائیں اسی طرح جن فقہائے نے دعا بعد نمازِ جنازہ کو منع کیا تو انہوں نے اس حکم کی ممانعت کا مدار ایک علتِ خاص کو قرار دیا تو جس صورت میں علت منتفی ہوگی وہاں ممانعت کا حکم بھی منتفی ہوگا وکما ھی القاعدۃ المسلمۃ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہا کی مراد ممانعت سے صرف ایک مخصوص صورت کی ممانعت ہے اور وہ زیادتی سے مشابہت والی صورت ہے جسکی کیفیت ہم نے بیان کی علی العموم اور بالکلیہ ممانعت مراد نہیں ہے۔ عبارتِ مذکورہ کی یہ عمدہ اور صحیح توجیہ ہے۔ اگر اس توجیہ کا اعتبار نہ کیا جائے تو فقہائ کے اقوال باہم متعارض ہو جائینگے۔ کسی سے جواز معلوم ہوگا اور کسی سے عدم جواز۔ پھر یہ عدم جواز کا قول حدیث مذکور کے بھی خلاف ہوگا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا حکم بعدِ نمازِ جنازہ متصلاً ہے اور حضور علیہ السلام نے بعد نمازِ جنازہ دعا فرمائی اور لوگوں کو بھی دعا کرنے کا حکم دیا۔

مذکورہ بالا تشریحات سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دُعا بعدِ نمازِ جنازہ بدعت نہیں، اس لئے کہ اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و عمل سے ہے۔ لیکن اگر اس کا بدعت ہونا تسلیم کر لیا جائے تو ہر بدعت کا ناجائز و حرام ہونا ضروری نہیں۔ مرقاۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ اسی طرح شامی جلد اول میں بھی ہے۔

اقسام بدعت مع تعریفات درجِ ذیل ہیں:۔

۱ بدعتِ جائز۔ ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جائے جیسے عمدہ عمدہ کھانے پینے کی چیزوں میں وسعت کرنا۔ بریانی، بیمن، کیک، بسکٹ وغیرہ کا استعمال۔ ایسے کاموں پر نہ ثواب ہے، نہ عذاب۔

۲ بدعت مستحب، وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور اسکو عام مسلمان کارِ ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیتِ خیر سے کرے۔ جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھا کام جو کہ قرنِ اول میں نہ تھا۔ مثلاً محفلِ میلاد

فاتحۂ بزرگاں اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا۔ اس کا کرنے والا ثواب پائیگا اور نہ کرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔

۳ بدعت واجب، وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے علم نحو کی تعلیم۔ اصولِ فقہ کی ترتیب وتدوین۔ مدارسِ عربیہ کا موجودہ نصاب تعلیم۔

۴ بدعتِ مکروہ۔ وہ نیا کام جس سے کوئی سنت ترک ہوجائے۔ اگر سنت غیر مؤکدہ ترک ہو تو بدعت مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسے مسجدوں کی فخریہ زینت۔ نقش و نگار۔ اور اگر سنتِ مؤکدہ ترک ہو تو بدعت مکروہ تحریمی ہے۔ جیسے غیر عربی میں جمعہ وعیدین کا خطبہ۔

۵ بدعت حرام۔ وہ نیا کام جس سے کوئی واجب ترک ہوجائے۔ جیسے خوارج وروافض وغیرہم کے مذاہب۔

پہلی تینوں قسمیں یعنی بدعت جائز، بدعتِ مستحب، بدعتِ واجب، یہ بدعتِ حسنہ میں داخل ہیں اور بدعتِ مکروہ، بدعتِ حرام، بدعتِ سیئہ کی قسمیں ہیں۔

بدعتِ حسنہ وبدعتِ سیئہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ الخ جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ نکالے اس کے لئے کثیر ثواب ہے اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ نکالے اس کے لئے کثیر گناہ۔

اس حدیث میں بالکل واضح طور پر ایک طریقہ کو حسنہ فرمایا ہے، وہی بدعتِ حسنہ ہے اور دوسرے طریقہ کو سیئہ کہا گیا ہے اور یہی بدعتِ سیئہ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بدعت سب بری ہے۔ کوئی اچھی نہیں اور اپنے قول کی تائید میں دو حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

یہاں دونوں حدیثوں کو نقل کرکے جواب عرض کرتا ہوں۔

پہلی حدیث کل بدعۃ ضلالۃ ہے کہ اس میں ہر بدعت کو گمراہی فرمایا گیا ہے۔ دوسری حدیث میں من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات نکالے جو دین سے نہیں ہے مردود ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دین میں جو بدعت ہے' وہ کوئی بھی اچھی نہیں کیونکہ اس حدیث میں سب کو مردود کہا ہے۔

پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہاں بدعات سے مراد' بدعت سیئہ ہے یعنی بدعت سیئہ کو گمراہی فرمایا گیا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے تحت ہے' آنچہ موافق اصول وقواعد سنت است وقیاس کردہ شدہ است آں را بدعتِ حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند۔

یعنی جو بدعت' سنت کے اصول وقوانین کے موافق ہے اسکو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور جو اسکے خلاف ہے یعنی بدعت سیئہ اسکو بدعت ضلالت کہتے ہیں۔ اس تفسیر سے حدیث کی مراد متعین ہوگئی کہ وہاں بدعت کی ایک خاص قسم یعنی بدعتِ سیئہ کو ضلالت کہا گیا ہے۔

دوسری حدیث یعنی من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی چیز جو دین سے نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے خلاف ہے۔ اس حدیث کی شرح اشعۃ اللمعات میں ہے: "مراد چیزے ست کہ مخالف ومغیر آں باشد"۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جو دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔ اور ظاہر ہے' کہ ایسی بدعت صرف بدعتِ سیئہ ہے۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ معتبر نہ مانی جائے تو اس حدیث کے خلاف ہوگا جو پہلے پیش کی جاچکی ہے کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ نکالے وہ ثواب کا مستحق ہے کہ اس حدیث میں بدعتِ حسنہ کی ایجاد پر ثواب کا مستحق قرار دیا گیا۔

نیز مرقات کے حوالہ سے ہم نقل کرچکے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں اور انہیں بدعت واجب، بدعت مستحب' اور بدعت جائز بھی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کر کے فرمایا نعمت البدعۃ ھذہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔ اگر ہر بدعت کو ناجائز و حرام کیا جائے گا تو مسائل فقہیہ، صوفیاء کرام کے اشغال و وظائف شریعت کے چار سلسلے، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب ناجائز و حرام ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ سب خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئے لہٰذا اس کے سوا چارہ نہیں کہ کہا جائے کہ جو کام خلافِ سنت ہو، وہ برا اور جو ایسا نہ ہو وہ اچھا ہے۔

درمختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا، سنہ ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا لیکن وہ بدعتِ حسنہ ہے، اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ ففیہ دلیل علیٰ انہ غیر مکروہ لان المتوارث لا یکون مکروھًا۔ وکذالک نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعۃ حسنۃ اذ مارأہ المومنون حسنًا فھو عند اللہ حسن یعنی جو جائز کام مسلمان میں معمول و مروج ہو جائے وہ مکروہ نہیں ہوگا۔ یہی حکم خطیب کے سامنے اذان کا ہے کہ یہ بھی بدعتِ حسنہ ہے۔

اسی طرح دعا بعد نماز جنازہ کے متعلق کہا جائے گا کہ اگر اس کا بدعت ہونا تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی بدعتِ حسنہ مستحبہ ہے کہ عام مسلمان اسکو نیت خیر سے کرتے ہیں، نہ اس سے کسی سنت کی نفی ہوتی ہے، نہ کسی سنت کا ترک و تغیر لازم آتا ہے۔ لہٰذا مارأہ المؤمنون حسنًا فھو عند اللہ حسن کے مطابق کارِ ثواب ہے۔

ان مباحث کے بعد آخر میں ایک اصولی بات بطور قاعدہ کلیہ کے ملحوظ رہنا چاہئے کہ اگر بالفرض قرآن کریم یا احادیث سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت صراحتًا نہ بھی ہو تو جب تک شرع سے صراحتًا دعا بعد نماز جنازہ کی ممانعت نہ ہو اسکو ناجائز یا حرام نہیں کہہ سکتے۔ حرمت یا عدم جواز ثابت کرنے کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ بغیر دلیل شرعی کے کسی چیز کی کراہت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ شامی بحث مستحبات الوضوء میں ہے ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لا بد لھا من دلیل خاص کسی چیز کے مستحب نہ ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ مکروہ ہو۔ کیونکہ کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔ لیکن کسی چیز کی اباحت و جواز کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ اسکی حرمت و عدم جواز پہ کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ اصل اشیاء میں اباحت و جواز ہے جیسا کہ شامی کتاب الطہارت میں ہے۔ المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیہ والشافعیہ

قرآن کریم میں ہے قد فصل لکم ما حرم علیکم یعنی جائز و حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ جو چیزیں حرام ہیں وہ بیان کر دی گئیں، اب حرام چیزوں کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب جائز و حلال ہی ہے۔ ہر ہر جزئیہ کے لئے آیات و احادیث سے صراحتًا ثبوت کی ضرورت نہیں ورنہ قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں گی۔

اب غور کیجئے کہ مخالفین دعا بعد نماز جنازہ کو بغیر کسی دلیل کے ناجائز و حرام وغیرہ کہتے ہیں اور فقہاء کرام بغیر ممانعتِ خاص کے کسی شئی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مخالفین کو چاہئے کہ کسی چیز کو ناجائز و حرام کہنے سے پہلے اسکی حرمت و عدم جواز کی دلیل پیش کریں اور اگر نہیں پیش کر سکتے تو کم از کم ان فقہائے کرام و ائمہ دین کو ہدف ملامت تو نہ بنائیں۔

اب ہم آخر میں مطلقًا دعا کی اہمیت، اسکے شرائط و آداب سے متعلق تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان کا ایک اقتباس

پیش کر دینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ مضمون تشنۂ تکمیل نہ رہے۔

آیت کریمہ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ کے تحت تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہے نقول الدعاء یفید معرفۃ ذلۃ العبودیۃ ویفید معرفۃ عزۃ الربوبیۃ وھذا ھو المقصود الاشرف الاعلی من جمیع العبادات وبیانہ ان الداعی لا یقدم علی الدعاء الا اذا عرف من نفسہ کونہ محتاجا الی ذلک المطلوب وکونہ عاجزا عن تحصیلہ وعرف من ربہ والھہ انہ یسمع دعاءہ ویعلم حاجتہ وھو قادر علی دفع تلک الحاجۃ وھو رحیم تقتضی رحمتہ ازالۃ تلک الحاجۃ واذا کان کذلک فھو لا یقدم علی الدعاء الا اذا عرف کونہ موصوفا بالحاجۃ وبالعجز وعرف کون الالہ سبحانہ موصوفا بکمال العلم والقدرۃ والرحمۃ فلا مقصود من جمیع التکالیف الا معرفۃ ذل العبودیۃ وعز الربوبیۃ فاذا کان الدعاء مستجمعا لھذین المقامین لا جرم کان الدعاء اعظم انواع العبادات والذی یقوی ما ذکرنا ما روی انہ علیہ السلام قال ما من شیء اکرم علی اللہ من الدعاء والدعاء ھو العبادۃ ثم قرء ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین (ترجمہ) دعا سے بندہ کے عجز وتذلل اور رب تعالی کے علو وترفع کا اظہار ہوتا ہے اور یہی تمام عبادات کا مقصد اعلی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ دعا کیلئے پیشقدمی اسی وقت کرتا ہے جب وہ اپنے متعلق سمجھتا ہے کہ وہ اس مطلوب کا محتاج اور اسکی تحصیل سے عاجز ہے اور رب تبارک وتعالی کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ وہ اسکی دعا کو سنتا ہے۔ اسکی حاجت کو جانتا ہے اور اسکی حاجت کے پورا کرنے پر قادر ہے۔ اور تمام عبادات کا مقصد یہی ہے کہ بندہ کو اپنے عجز وپستی اور باری تعالی کی عظمت وکبریائی کا علم ہو، اور جب دعا سے بھی یہ دونوں مقصد حاصل ہوتا ہے تو لامحالہ دعا تمام عبادات میں سب سے بڑی عبادت ہوگی۔ اس بیان کی تائید حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ عزیز ومحترم کوئی چیز نہیں۔ دعا عبادت ہے۔ جس پر قرآن کریم کی یہ آیت شاہد ہے۔ ان الذین یستکبرون عن عبادتی کہ اس آیت میں دعا کو عبادت کہا گیا ہے اور دعا سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم بتایا گیا ہے۔ (انتہی کلام الرازی)

تفسیر روح البیان میں زیر آیت امن یجیب المضطر اذا دعاہ جو طویل عبارت ہے اسکے ایک مختصر حصہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

دعا میں سب سے ضروری چیز نیت کو خالص کرنا ہے اور اعتقاد کو شکوک وشبہات کے شائبہ سے پاک کرنا ہے۔ اپنے جسم ولباس کو بھی پاک صاف رکھتا ہے تاکہ وہ غیب سے امداد کا محل بن سکے اور اس کے شرائط وآداب سے مسواک کرنا، خوشبو لگانا، وضو کرنا۔ قبلہ رخ ہونا اور اپنی حاجات ودعاؤں کے عرض سے پہلے ذکر، ثنا اور نماز کو مقدم کرنا ہے۔ عجز ونیاز مندی کے ساتھ ہاتھوں کو پھیلانا ہے۔

حضرت ابویزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالے سے ایک رات دعا کی اور سخت ٹھنڈک کی وجہ سے اپنی آستین سے صرف ایک ہاتھ نکالا، اسی درمیان میں مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ اس وقت میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا آستین سے نکلا ہوا ہاتھ نور سے معمور ہے اور دوسرا ہاتھ جو آستین کے اندر ہے وہ خالی ہے، میں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار ایسا کیوں ہے۔ مجھے ندا کی گئی کہ جو ہاتھ طلب کے لئے نکلا اسے میں نے فائز المرام کردیا جو نہیں نکلا اسے محروم ناکام کردیا۔ (انتہی کلام صاحب روح البیان)

معلوم ہوا کہ رب تعالی کو یہ پسند ہے کہ بندہ اسکی بارگاہ میں

دستِ سوال پھیلائے، اس سے اپنی حاجات کے پورا کرنے کی درخواست کرے۔

بعض لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں اور کسی خاص ثمرہ کے حاصل نہ ہونے پر غمگین ہوتے ہیں کہ دعا کیا مگر کچھ حاصل نہ ہوا، یہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں۔ اصل مقصود رضائے حق ہے۔ جسکا ذریعہ ذکر و طاعت ہے۔ کاملین کی نظر رضائے الٰہی پر ہوتی ہے۔ اپنا ظاہری یا باطنی حظ مقصود نہیں ہوتا۔ بعض اہل لطائف کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ اب اللہ کی مرضی ہے کہ مرض کی شکایت کا اظہار کروں، اُس وقت فرمایا رَبِّ اِنی مسّنی الضر الخ ورنہ یہ اظہار کسی بے صبری کی وجہ سے نہیں تھا۔ اگر بے صبری ہوتی تو اللہ تعالٰی ان کی یوں تعریف نہ فرماتے انا وجدناہ صابرا نعم العبد بلکہ یہ حضرات جس چیز میں اللہ کی رضا دیکھتے ہیں وہی کرنے لگتے ہیں، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آگ میں ڈالے جانے کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دعا کرنے کے لئے کہا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا نہیں کی اور فرمایا علمہ بحالی حسبی عن سوالی یعنی وہ میرے حال سے خود باخبر ہے، سوال کی ضرورت نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ صاحبِ حی تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اس وقت دُعا کرنا اس کی مرضی کے خلاف ہے، کیونکہ وہ موقع امتحان کا تھا۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ یہ حضرات کرتے ہیں صرف مرضی مولٰے کے لئے کرتے ہیں، اپنی کوئی غرض شامل حال نہیں ہوتی۔

گفت معشوقے بعاشق اے فتا   تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس کدامے شہر از آنہا خوشتر است   گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

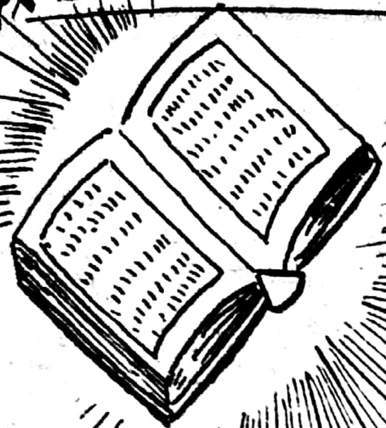
عاشقوں کے پیش نظر صرف انکا دلبر ہوتا ہے۔ اس سے غرض نہیں کہ وہ شہر میں ہے یا جنگل میں۔ اسی طرح عام بندوں کو بھی حکم دیا گیا ہے۔

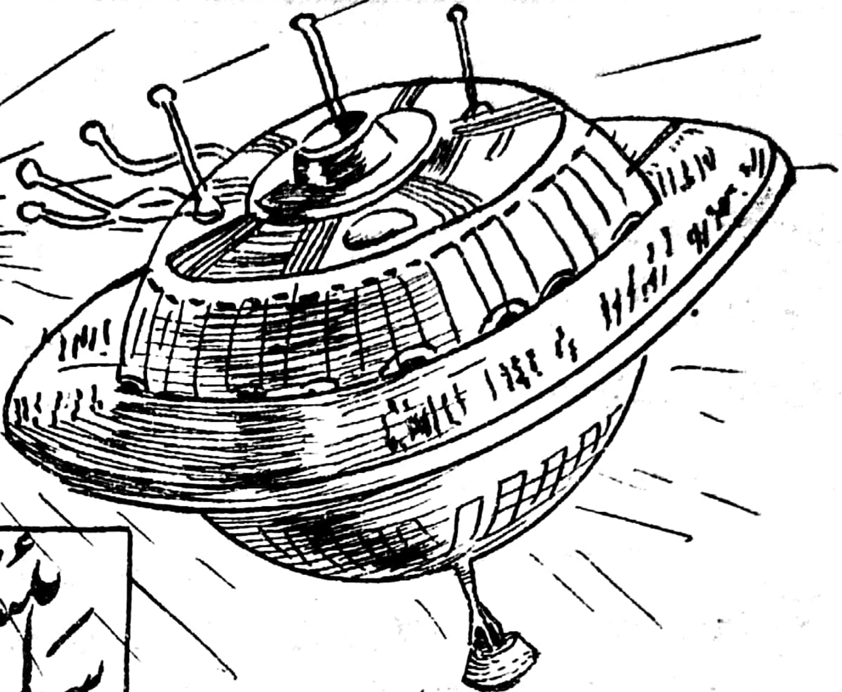
فاذکرونی اذکرکم، ادعونی استجب لکم۔

ہمیں ذکر و دعا کا حکم دیا گیا ہے۔ ہماری غرض یہ نہ ہونی چاہئے کہ ہماری خواہش کے مطابق ہمارا مقصد حاصل ہو۔ قبولیت دعا کی یہی ایک صورت نہیں ہے بلکہ کبھی اس کا ثواب آخرت کے لئے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔ کبھی کوئی آنے والی مصیبت اس دُعا کی برکت سے ٹل جاتی ہے۔ اور کبھی وہ چیز کہ جس میں ہماری مصلحت ہوتی ہے عطا کر دی جاتی ہے۔ بہر حال ہمارے پیش نظر صرف اس کی مرضی ہونی چاہئے کہ ہم ذکر و دُعا کریں۔ اسکی بارگاہ میں دست سوال دراز کریں۔ عرض و مناجات کریں، نتیجہ کچھ بھی ہو۔

یابم اورا یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

(بقیہ صفحہ ۳۴) مطلقہ اور غیر متبدل ہے اور اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ قرآن کی جن حقیقتوں سے کل تک سائنس اور دنیا انکار کرتی رہی آج تجربات و مشاہدات نے تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا اور تسلیم کر رہی ہے پھر کیا ایسا کہنا حق نہیں ہے کہ قرآنی حقائق و اصول پر ایمان لاکر اس کے سارے کلیہ کو تسلیم کر لینے کے بعد سائنسی حقائق کو اس کسوٹی پر پرکھا جائے اور جس حقیقت کی تصدیق قرآن کر دے وہ صحیح ہے اور جسکی نہ کرے وہ یقیناً غلط ہے اور سائنس نے یقیناً اس میں کوئی غلطی ضرور کی ہے جسکی وجہ سے نتیجہ غلط، سامنے آرہا ہے، بلکہ اگر میں یہ کہدوں تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ کہ سائنس اگر اپنا مرکز غور و فکر قرآن کے پیش کردہ حقائق کو بنائے اور اسی کو اصل و بنیاد قرار دے تو امید کی جا سکتی ہے کہ وہ کائنات کی حقیقت کو پالے اور کسی بھی شئ کی حقیقت کی کامل توجیہہ کر سکے فقط





سائنس اور اسلام

از مولنا مولوی محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری
مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

انسان فطری طور پر متجسس دماغ واقع ہوا ہے۔ جب سے اس نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے اسوقت سے وہ اپنے ارگرد پڑی ہوئی چیزوں پر غور وفکر سے اس کے فوائد و نقصانات معلوم کئے اور اسے استعمال میں لاتا رہا اور اس سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنی قوت فکریہ کو وسعت دی اور اپنے ماحول سے ماورائے اشیأ پر نگاہ ڈالی اور اپنے غور و فکر سے اسکی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کی۔ چنانچہ بہت سی چیزیں ایسی ملیں جس میں وہ ایک حد تک کامیاب ضرور نظر آیا اور بہت سی ایسی سامنے آئیں جس میں وہ یقیناً ناکام رہا اور ابتک ہے۔ آج اسی ابتدائی قوت فکریہ کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں، جو ہمارے سامنے موجود ہیں جس کے ذریعہ محیر العقول ایجادات نے انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ پہلے وہ صرف ماحول پر نگاہ ڈال کر غور کرتا تھا اب اس سے ماوراء کر رہا ہے۔ پہلے وہ حسب ضرورت نفع بخش چیزوں کی دریافت کرلینا کافی سمجھتا تھا اب حقائق اشیا تک پہنچنا چاہتا ہے۔ چند دنوں پہلے اس نے اپنی تحقیق کا میدان کرۂ زمین اور اسکی اشیاء کو بنا رکھا تھا۔ اب شمس و قمر پر اپنی کمند فکر ڈال کر اسکی گہرائیوں تک پہنچنا چاہتا ہے۔ چنانچہ چاند کی سطح کے متعلق امریکی راکٹ رینجر نے جو چاند کی تصویریں بھیجی ہیں ان سے پتہ چلا ہے، کہ چاند کے وہ علاقے جو چپٹے ہیں وہ کافی ہموار ہیں۔ اور وہ اس حد تک پختہ ہیں کہ انسان سلامتی کے ساتھ وہاں اتر سکے۔ نیز خلائی جہاز کے ٹکرانے سے پہلے جو آخری تصویر لی گئی تھی اس سے پتہ چلا ہے کہ اس میں کچھ حلقہ وار گڑھے ہیں جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک صرف تین فٹ (ایک میٹر) اور ڈیڑھ فٹ (نصف میٹر) گہرے ہیں۔

نیز ڈاکٹر ہومز ای نیویل نے ایک مرتبہ وائٹ ہاؤس کی کسی خاص تقریب میں صدر جانسن کو بتایا کہ وہاں مٹی کی کوئی ایسی گہری تہ نہیں ہے جس سے چاند پر اترنے والے انسان کو کوئی خطرہ پیدا ہو۔

مادہ شروع سے سائنس کا مطمح نظر رہا ہے اور اسی کے گرد انسان کی فکری کاوشیں چکر کاٹتی رہی ہیں۔ اور مادہ ہی کو اس نے عالم کی اصل قرار دیا۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ جو چیز مادہ سے خالی ہے اس

کا وجود نہیں۔

انیسویں[1] صدی کے سائنسدان یہ سمجھتے تھے کہ مادہ ایک غیر فانی حقیقت اور ازلی ہے اس لئے کہ کسی چیز کی کوئی اصلیت نہیں ہو سکتی جبتک کہ اس کے خواص و اوصاف مادہ کی طرح نہ ہوں یعنی جب تک اسے مادہ کی طرح دیکھا یا چھوا نہ جاسکے۔ یا وہ اس قابل نہ ہو کہ اس پر مادہ کی طرح معمل میں تجربات کئے جاسکیں۔ اسی لئے وہ شعور کو ذی حیات مادہ کی ایک خاصیت قرار دیتے تھے۔ اور اس بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ کہ شعور کی مانند کوئی چیز تخلیق کائنات کا سبب ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ جب برکلے نے نیوٹن کے طبعیاتی قوانین پر سب سے پہلے اعتراض کیا تو انیسویں صدی کی فرسودہ سائنس دانوں نے قبول کرنے کی بجائے اُسے نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھا اور اس پر طعن و تشنیع کی۔ اس طعن و تشنیع کی اصل وجہ یہ تھی کہ برکلے کے اعتراضات سے ان کی مادی قوانین کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ انتہی

ایک مدت دراز تک ماہرین و علماء حیاتیات یہ سمجھتے رہے ہیں، کہ مادہ ہی زندگی کی پیدا وار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرین حیاتیات انسان کو الگ مخلوق ماننے کو ہرگز تیار نہیں۔ اور ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان نباتات و حیوانات ہی کی ایک ارتقائی شکل ہے، اور ہر ایک اس بات پر متفق ہیں کہ عالم اور دوسرے سیارے کی تخلیق اس مادے سے ہوئی ہے جو سورج سے کٹ کر الگ ہوئے ہیں۔ ان کا یہ اتفاق تو یہ ثابت کرتا ہے کہ تخلیق عالم سے پہلے سورج کا وجود تھا اور اس سے مادہ کے علیحدہ ہو جانے کے نتیجے میں دنیا وجود میں آئی۔ لیکن وہ ہنوز اس بات کے بتانے سے قاصر رہے ہیں کہ سورج آخر کس طرح وجود میں آیا اور اس کے موجود ہونے کے کیا اسباب ہیں۔

جرمن کا ایک فلاسفر کانٹ (Kant) نے ۱۷۵۵ء میں اپنی ایک کتاب میں اس بات کا دعویٰ کیا کہ مجھے مادہ فراہم کر دیجئے اور میں آپ کو بتا دوں کہ دنیا کس طرح وجود میں آئی اور کیسے بنائی جاتی ہے۔ مسٹر کانٹ کے اس دعوے پر مادہ پرست دیوانوں اور دہریوں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ دنیا اور دنیا کی ہر شئی مادہ ہی سے بنی ہے۔ اس کے وجود میں آنے کے لئے کسی ماوراء و مافوق الفطرۃ طاقت کی ضرورت نہیں ہے۔

ماہرین حیاتیات ایک زمانہ تک یہ کہتے رہے ہیں کہ جب مادہ ایک خاص کیمیاوی ترکیب حاصل کر لیتا ہے۔ اور طبعیات کے خاص قوانین کے تحت کام کرنے لگتا ہے تو اس میں زندگی کا وصف پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن اب مادہ پرستوں کی ساری بنیادیں متزلزل ہو چکی ہیں اور ان کے مادہ پرستی کے نظریات کی پوری کی پوری عمارت کھوکھلی ہو چکی ہے اور اب وہی مادہ جس کو سائنسدانوں نے کبھی ایک ٹھوس حقیقت تسلیم کیا تھا اور اسے ازلی و غیر فانی کہا تھا فانی قرار دیا جا رہا ہے، چنانچہ مختلف ملکوں کے ماہرین طبیعیات نے جو مادے کے فنا پذیری کے بارے میں بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مادہ فنا ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر جوڈ کہتا ہے[2] کہ جدید مادہ ایک ایسی بے حقیقت چیز ہے جو ہاتھ میں نہیں آسکتی۔ یہ فاصلہ و وقت کے مرکب کا اُبھار، برقی رو کا ایک جال یا امکان کی ایک لہر ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے فنا کے اندر کھو جاتی ہے۔ اکثر اوقات ایسے مادہ کے بجائے دیکھنے والے کے شعور ہی کا پھیلاؤ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح سائنس کی مادیات پر اعتراض کرتے ہوئے انگلستان کا فلسفی بشپ جارج برکلے کہتا ہے کہ مادی دنیا اپنی ہستی کوئی جدا نہیں رکھتی، کیونکہ اسے ہم فقط حواس کے ذریعے سے

[1] قرآن اور علوم جدیدہ ۱۲

[2] سائنس اور ما بعد الطبیعات ۳

جانتے ہیں اور یہ جاننا بغیر شعور کے ممکن نہیں۔ چونکہ ہمارے شعور سے باہر مادہ کی کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوسکتا اسلئے جو چیز حقیقتاً موجود ہے، وہ شعور ہے۔ نہ کہ مادہ۔

فلسفی مذکور اپنے نظریہ کی روشنی میں ایک غیر فانی شعور کی ہستی کو ثابت کرنے کے لئے یوں دلیل قائم کرتا ہے۔ آسمان کے تمام ستارے اور زمین کی تمام چیزیں مختصر یہ کہ وہ تمام اشیاء جن سے عظیم الشان دنیا بنی ہے شعور کے بغیر وجود نہیں رکھتیں۔[1]

ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے دیکھا کہ مادہ پرست دیوانوں نے مادہ ہی کو زندگی کی پیداوار قرار دیا تھا اور اب وہی مادہ بغیر شعور کے ایک بے حقیقت چیز بن کر رہ جاتا ہے۔ وہی حیاتیات کے ماہرین جو چند دنوں پہلے زندگی کو مادہ کی کسی خاص کیمیاوی ترکیب کا وصف قرار دیتے تھے اور اب وہی حیاتیات کی گہرائیوں میں ڈوبنے والے اس کے منکر ہو رہے ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہالڈین لکھتا ہے کہ اب حیاتیات کے سنجیدہ محققین میں سے کوئی اس بات کو ہرگز ماننے کو تیار نہیں کہ زندگی مادہ کی کسی خاص کیمیاوی ترکیب کا نام ہے۔

یہیں تک نہیں، مادیات کی دنیا میں چکر کاٹنے والوں نے جب مادہ کو فنا ہوتے دیکھا اور اپنے تخیلات کے شیش محل کو منہدم ہوتے دیکھا تو اس بات کے ماننے پر مجبور ہوئے کہ ان سب سے ماوری کوئی طاقت ایسی ضرور ہے جو پوری کائنات کو ایک مستحکم ضابطے کے تحت چلا رہی ہے۔

چنانچہ سر جینز اپنی کتاب "پر اسرار کائنات" میں لکھتا ہے کہ ایک خاص نظام کے تحت چلنے والی کائنات ہمیں اس بات کی جانب رہنمائی کر رہی ہے کہ اس کائنات کی ایک مدبّر اور منظم ہستی کوئی ضرور ہے۔ پروفیسر ڈریش کہتا ہے کہ ساری کائنات کی بھی ایک انٹیلیجی جسے لوگ خدا کہتے ہیں یقینی موجود ہے؛ نظام شمسی کے ارتقاء پر غور و فکر کرنے والے سائنسدانوں نے جب غور کیا کہ وہ مادہ جس سے کائنات وجود پذیر ہوئی وہ کہاں سے آیا اور اس کے وجود کے اسباب کیا ہیں، تو وہ مجبور ہیں کہ تخلیق الٰہیہ پر ایمان لائیں۔

چنانچہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ۱۹۵۱ء میں The Origin of the Earth نامی ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ جس میں وضاحتہً یہ ذکر ہے کہ ہم میں سے بہتوں پر چاہے وہ سائنس داں ہوں یا غیر سائنس داں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ تخلیق الٰہیہ پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے، جتنا ضروری یہ ہمیشہ سے ہے۔ کتاب مذکور کے اندر جملہ ماہرین سائنس کی جانب سے اس بات کا صراحتہً اعتراف کیا گیا ہے۔ کہ کائنات کا خالق ضرور ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ فطرت کے راز سربستہ کے آشکارا ہو جانے کے بعد مادی تحقیق کے مزید راستے واضح و صاف ہو جاتے اور انکار خدا بڑھتا جاتا۔ لیکن جوں جوں یہ حقیقت منکشف ہوتی جاتی ہے خالق کائنات پر ایمان لازم ہوا جاتا ہے۔ ان تمام حقیقتوں کے ساتھ ساتھ سائنس اور سائنس دانوں کا عجز بھی ملاحظہ فرماتے جائیے سائنس اپنی تحقیقات کو قدرت کے ان قوانین سے شروع کرتی ہے۔ جو ظاہر ہے اور جن کا عمل ہر روز ہمارے مشاہدے اور تجربے میں آتا رہتا ہے۔ پھر یہ اپنے تجربات اور مشاہدات کو اور وسعت دیکر زنجیر حقائق عالم کی ایک ایک کڑی کو دریافت کرتے ہوئے آگے بڑھتی رہتی ہے۔ اس کے اس طرح سے سلسلہ جاری رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ علۃ العلل کو ایک نہ ایک دن ضرور جان لیگی۔ اس طرح جب کائنات کی حقیقت اس پر آشکارا ہو جائیگی تو ایک دن وہ یقیناً کائنات کا صحیح تصور پیش کرنے کے ساتھ ساتھ حقائق فطرت کے اندر جو نظم و ترتیب ہے اسے خود بنا سکیگی۔ لیکن اتنی تحقیقوں اور ساری بڑی امیدوں کے باوجود سائنسدان جس نتیجے پر پہنچے

[1] قرآن اور علوم جدیدہ ۱۲

ہیں، اسے ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے جیسے وہ اپنی کتاب قرآن اور علوم جدیدہ میں لکھتے ہیں کہ اپنی پہلی بڑی بڑی امیدوں کے باوجود سائنس دان کچھ عرصہ سے اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ وہ قیامت تک بھی قوانین کائنات کی زنجیر کی ساری کڑیوں کو دریافت نہیں کر سکتے، گویا سائنس انسان کو حقیقتِ کائنات کی جزوی اور محدود واقفیت یعنی صرف بعض قوانین عالم کی واقفیت بہم پہنچا سکتی ہے لیکن حقیقت عالم کا پورا تصور بہم نہیں پہونچا سکتی۔

ٹنڈل اس کو اپنے الفاظ میں یوں ادا کرتا ہے کہ سائنس قریبی علل سے تو پردہ اٹھا سکتی ہے، لیکن علل اولیٰ (اللہ) کا پتہ لگانا سائنس کے دائرۂ بحث سے قطعاً خارج ہے۔

نیوٹن نے اعتراف کیا ہے کہ عالم فطرت کی یہ نیرنگیاں واجب الوجود (اللہ) کے ارادے کے علاوہ کسی اور شئی سے ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ نیوٹن کی مذکورہ بولی سے بات صاف ہو جاتی ہے۔

سائنس بعض چیزوں کی بعض علتوں کو تو ظاہر کر سکتی ہے۔ لیکن اس کی حقیقت کا آشکار کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے اور سائنس داں اس کو پا سکتے ہیں۔ اسی کو ھکسلے امام حکمیات (سائنس) یوں کہتا ہے کہ کسی شئی کی بھی کامل توجیہہ و تعلیل نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ سائنس کی بحث و تحقیق کا تعلق تمام تر فطرت کے واقعات و مشاہدات اور تجربات سے ہے اور اس کے آگے اسے پرواز کی طاقت نہیں لیکن اتنا تو ضرور اس کے عجز سے ثابت ہو جاتا ہے کہ تصور انسانی سے ماوراء کوئی طاقت محض ضرور ہے، جو ان کو باہم مرتبط و منظم کئے ہوئے جسے ہم قادر مطلق کہتے ہیں۔ اور ذہن انسانی اس اعتراف پر یقیناً مجبور ہو جاتا ہے، کہ خدا کی ذات ضرور موجود ہے، نیز اوپر کی پوری بحثوں سے واضح ہو گیا کہ جب سائنس کسی بھی حقیقت کو کامل طور پر واضح کرنے سے عاجز ہے تو ایسی صورت میں انسان کا سائنس میں زندگی کا حل تلاش کرنا کہاں تک درست ہے۔ آجتک کے تجربات نے تو اسی بات کا ثبوت دیا ہے، کہ انسانی مسائل زندگی بجائے سلجھنے کے روز بروز الجھتے ہی جا رہے ہیں۔ مسائل زندگی کے گیسو کو جتنا سنوارنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اسی قدر اس میں پیچیدگیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایک انسان اگر یہ چاہے کہ سائنس کی دنیا میں رہ کر سائنس کے مطالعہ سے نظام زندگی کا سراغ لگائے ممکن نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سائنسی حقیقت حقیقت مطلقہ نہیں۔ اسلئے کہ سائنٹفک حقائق وہ قوانین و حقائق نہیں جو ان کے وجود اور وقوعہ کے اسباب بیان کر سکیں اور نیز اس کے حقائق قابل اعتماد حقائق نہیں۔

ناظرین زندگی کا سراغ لگانے سے جب سائنس کی بے بضاعتی اور اس کا عجز عالم پر تقریباً آشکار ہو چکا ہے تو ہمیں ایک ایسے نظام زندگی کی بھی جستجو لازمی ہے جس نے ہر دور میں انسان کے لئے کامل حل پیش کیا ہو اور قیامت تک کرتا رہے، اور ساتھ ساتھ سائنٹفک ترقیوں کا مخالف بھی نہ ہو۔ جب ہم عالم کے مختلف نظامہائے زندگی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہماری نگاہ تمام نظاموں سے گذرتی ہوئی صرف ایک ہی نظام زندگی پر جا کر ٹھہر جاتی ہے، جہاں ہمیں حقیقت کا پتہ اور زندگی کا کامل حل مل جاتا ہے، اور زندگی کا اضطراب اس کے سائے تلے جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ نظام نظام الٰہی ہے جس کا صحیح نقشہ صرف اسلام پیش کرتا ہے۔ بعض مرعوب اور بوالہوس لوگوں کا یہ تصور کرنا کہ اسلام اور سائنس میں تضاد ہے اور کسی حال میں اسلام سائنسی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا بلکہ اس کا سخت مخالف ہے قطعاً صحیح نہیں۔ اور ہرگز یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس میدان میں قدم بڑھانے سے مانع ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ اسلام کے اصول و ضوابط سے

بالکل بے بہرہ ہیں اور اُن کو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں ، ملاحظہ فرمائیں آپ کہ قرآن کس کس طرح سے انسان کو کائنات میں غور وفکر کی دعوت دیکر تلاشِ حق کی جانب رہنمائی کررہا ہے ۔

ترجمہ آیۃ : بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں نشانیاں ہیں اہل عقل کے لئے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تونے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا (آل عمران آیۃ ۱۸۰)

دوسری جگہ یوں دعوتِ غور وفکر دے رہا ہے :۔

اللہ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے ۔ اس میں اہل دانش کے لئے استدلال ہے ۔ (نور آیۃ ۴۴)

یونہی ایک جگہ یوں مخاطب کررہا ہے کہ ، اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر کیا اور ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر ہیں ۔ بے شک اس میں بھی عقلمند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں (نحل آیۃ ۱۲)

اسی طرح انسان پہ پھیلی ہوئی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے یوں توجہ دلارہا ہے ۔ بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندروں میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں لے کر اور بارش کے پانی میں جس کو اللہ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا ۔ اس کے خشک ہونے کے بعد اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلادئے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید رہتا ہے ۔ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقلمند ہیں (البقرہ آیۃ ۱۵۹)

ان مذکورہ چند آیتوں سے بات واضح ہوگئی کہ اسلام ہرگز کائنات اور اسکی اشیاء میں غور وفکر اور اس سے استفادہ کا مخالف نہیں بلکہ اسلام و قرآن عظیم کا یہ احسانِ عظیم ہے جس نے انسان کی توجہ محسوسات میں غور وفکر کرنے کی طرف مبذول کرائی جس سے وہ تلاش حق کرے ۔ صحیح کہا ہے اقبالؒ نے کہ :۔

اس میں شک نہیں کہ فطرت کے اس فکر انگیز تذکرہ سے قرآن کا فوری مقصد انسان میں اس ہستی کا شعور پیدا کرنا ہے جس کا مظہر یہ کائنات ہے لیکن ذہن نشین رکھنے کے قابل قرآن کا وہ عام تجربی نقطۂ نظر ہے جس نے پیروان اسلام کے دلوں میں عالم محسوس کا احترام پیدا کردیا ہے اور انہیں بالآخر سائنس کا موجد بنا دیا ۔ ایک ایسے زمانے میں جبکہ انسان تلاش حق میں محسوس دمرئی کو کوئی وقعت نہ دیتا تھا تجربی روح کو بیدار کرنا ایک عظیم الشان کارنامہ تھا ۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ میں ان لوگوں سے بھی مخاطب ہونا چاہتا ہوں جنہوں نے سائنس کی غلط تھیوریوں کی تائید میں احکام قرآنی کو مسخ کرکے اپنی ہوس پوری کرنے کی کوشش کی اور قرآن کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر زبردستی سائنسی حقیقت کو حقیقت مطلقہ ثابت کرنے میں لگے رہے ۔ یقیناً وہ بھی اسلام کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور اسکی روشن حقیقت سے انہیں بالکل تعلق نہیں ہے ۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ سائنس کا کوئی اصول اور اسکی کوئی حقیقت ٹھوس مستحکم اور اس لائق نہیں جس سے اسے میزان حق و ناحق قرار دیا جاسکے ۔ اس لئے کہ یہ بات بدیہی الامر ہے کہ کل کے سائنسی تجربات کو آج کی تحقیق و تجربات نے بالکل باطل قرار دیا اور اس کے مرکز فکر کو پھیر کر اس کا رُخ بدل ڈالا ۔ اس کے مقابلے میں قرآن کی پیش کردہ ٹھوس حقیقتوں کو ملاحظہ فرمائیں ، جو چیز وہ پیش کررہا حقیقت

فارغ التحصیل طلبا سے خطاب

از الحاج
مولانا حکیم عبد الباری صاحب
مالک نظامیہ دواخانہ پیارم پیٹ
ممتحن امتحانات دار العلوم اللطیفیہ ویلور

الحمد للہ الذی علم الانسان مالم یعلم وبعث فی الامیین رسولاً لاقامۃ دینہ المحکم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم
میں فارغ التحصیل طلباء سے جنہیں دستار باندھی جائے گی اور سندیں دی جائینگی خاص خطاب کرنا چاہتا ہوں اور کچھ ضروری باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ ازجاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

میرے عزیزو! اب تم مدرسہ سے علیحدہ ہو رہے ہو۔ اب تم پر تین قسم کے فرائض عائد ہوتے ہیں۔

ایک[1] وہ فرض ہے جسکا تعلق مدرسہ سے ہے۔

دوسرے[2] وہ فرائض جن کا تعلق تمہاری ذات سے ہے،

تیسرے[3] وہ فرائض جن کا تعلق قوم سے ہے۔

مدرسہ سے سندِ تحصیل پاکر نکل جانے کے بعد مدرسہ کو نہ بھولیں، بلکہ اس سے اپنا تعلق اسی طرح قائم رکھیں جیسا کہ اب تک رہا، حتی الامکان مدرسہ کی ترقی، اسکی بقا و شہرت کے لئے کوشاں رہیں۔

اساتذۂ کرام و منتظمین مدرسہ و بانیان مدرسہ سے اپنا تعلق برقرار رکھیں، ان کو عزت کی نگاہوں سے دیکھیں۔ کلمات خیر سے انہیں یاد کریں۔ اگر یہ لوگ دنیا سے چل بسے اور اللہ پاک نے تمہیں حیات بخشی ہے تو ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہیں۔ ان کی خوبیوں کو ہمیشہ یاد کرتے رہیں۔ یہی چیزوں میں تمہاری فلاح کا راز مضمر ہے۔ اگر تم ان باتوں کو بھول گئے اور عمل پیرا نہ ہوئے تو یاد رکھو، تمہارے علم میں بھی خیر و برکت ہرگز نہ ہوگی۔ اور تم بھی لوگوں میں سرخرو نہیں ہو سکتے۔

وہ فرائض جن کا تعلق تمہاری ذات سے ہے اس سے میری مراد اپنے آپ کو سنبھالنا اور سنوارنا اور خود کو علوم کی نشر و اشاعت اور قوم کی اصلاح اور قومی خدمات کے لئے قابل بنانا ہے۔ اس قسم کی قابلیت ہر عالم میں قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے سے پہلے بطور مقدمہ نہایت ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے تم قابل بنو، پھر لوگوں کو سدھارنے کی کوشش کرو۔

مجھے معلوم ہے کہ فی نفسہٖ آپ عالم و فاضل ہیں، لائق ہیں، سب کچھ ہیں لیکن لوگوں کی نظروں میں نالائق ٹھہرے تو قوم سے یہ امید رکھنا کہ وہ آپ سے مستفید ہوگی فضول اور عبث ہے۔

مدرسہ میں طلبا کو عالم نہیں بنایا جاتا بلکہ ان میں علوم قدیمہ و جدیدہ کو سمجھنے کی صرف استعداد و صلاحیت پیدا کرائی جاتی ہے۔ اب طلبا پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس استعداد سے کام لیکر صحیح معنوں میں عالم بنیں۔ پھر ان علوم کی نشر و اشاعت و قومی خدمات کے لئے اپنے آپ کو اہل بنائیں۔

میرے عزیزو! تم مدت العمر اپنے آپ کو طالب العلم تصور کرو، اور اکتساب علم کے لئے کتابوں کا مطالعہ کرتے رہو، جو بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے اس کے دریافت کرنے میں کوتاہی

نہ کرو۔ برخلاف اس کے اگر تم نے اپنے آپ کو عالم تصور کر لیا، تو آپ کے لئے مطالعہ و کتب بینی غیر ضروری ہوگا۔ جو بات معلوم نہ ہو اہلِ علم سے دریافت کرنے میں آپ کو شرم دامنگیر ہوگی۔ اور مسائل کے سوال کے جواب میں آپ نہ جاننے کے باوجود لا ادری کہنے میں جھجک محسوس کرینگے اور حقیقت کے خلاف اپنی عقل و رائے سے کچھ نہ کچھ کہنا پڑیگا۔ پھر نتیجتاً ندامت ہوگی یہی وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے سالہا سال سے پیدا کرائی ہوئی استعداد اور وقار کھو بیٹھینگے۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اپنے علم کی قدر و منزلت کریں۔ جن کاموں یا جن باتوں سے لوگوں کی نظروں میں علماء کی وقعت کم ہو جاتی ہے ان سے ہمیشہ بچتے رہیں۔

لباس وضع قطع، عادات و اطوار میں عالمانہ شان ہونی چاہیئے۔ تمہاری صورت، تمہاری سیرت دونوں عالمانہ ہو۔ تمہاری ہر حرکت اور ہر سکون میں عالمانہ رنگ ہو اور ایسے کاموں کو اختیار کرو، جن سے آپ قوم کی نظروں میں معزز مانے جائیں اور آپ کی افادیت میں ترقی ہو سکے۔

وہ فرائض جن کا تعلق قوم سے ہے اور اس کا لحاظ آپ پر ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ بلا تفریق مذہب و ملت انسانیت کا سبق سکھلانا آپ کا فرض ہے۔ بھائی چارگی، صلہ رحمی، محبت، امن و سلامتی کی تعلیم دینا، حسبِ ضرورت مسائل شرعیہ کو پیش کرنا تمہارا فرض ہے۔ بزرگوں کے آداب بجا لانا، ہمسایوں سے حسن سلوک تمہارا شعار ہونا چاہیئے، جس کے لئے گفتار میں سنجیدگی، مزاج میں عجز و انکساری ہو۔ تحمل و تدبر اپنا طریقہ ہو۔ جب بھی کسی سے کلام کرو، مخاطب کی رعایت کرو۔ بیہودہ گوئی یا لفاظی سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ وعظ و نصیحت میں اپنا علمی جوہر دکھلانے کی غرض سے فلسفیانہ اور عالمانہ تقریر و خطاب کرنے کی بے محل کوشش نہ کرو۔

عزیزانِ من! مدرسہ سے فارغ ہو جانے کے بعد کسی پر بوجھ نہ بن جاؤ بلکہ اولین کوشش ذریعۂ معاش کے لئے ہونی چاہیئے، اگر آپ تجارت کر سکتے ہیں تو فوراً تجارت شروع کر دیں۔ اللہ پاک نے تجارت میں بڑی خیر و برکت رکھی ہے۔ اگر آپ تجارت نہیں کر سکتے یا اپنے پاس اسقدر سرمایہ نہیں ہے تو کوئی بھی ملازمت اختیار کرو۔ یا کسی بھی دینی ادارہ کی خدمت ہی قبول کر لو۔ اور یہ بہت ہی ضروری ہے کہ تنخواہ اور اپنی محنت پیشِ نظر نہ ہو بلکہ اپنی خدمات کو اللہ کے لئے خالص کر دینی چاہیئے۔ پھر اس کے اندر آپ بڑی خیر و برکت دیکھیں گے۔ بہر حال بیکاری سے حتی الامکان پرہیز کریں۔ ورنہ آپ کا دل و دماغ معطل ہو جائے گا۔ آپ کا علم نہ آپ کو نفع دیگا اور نہ قوم آپ سے مستفید ہوگی۔ بلکہ دنیا کی نظروں میں نہ آپ کی وقعت ہوگی، نہ ہی آپ کی رائے کی کوئی قدر و قیمت ہوگی ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

جب آپ کے لئے ذریعۂ معاش نکل آیا تو آپ کی تمام تر توجہ علمی مشاغل و مطالعہ میں صرف ہونی چاہیئے اور خلوص و للّٰہیت کے ساتھ ملکی و ملی خدمات میں لگے رہیں۔ اس طرح آپ کے علم میں اور صلاحیتوں میں ترقی و خیر و برکت ہوگی ؎

جوانا سر متاب از پندِ پیراں
کہ رائے پیر از بخت جواں بہ

اب میں اپنے عزیزوں سے نیک توقعات رکھتا ہوں کہ میرے عزیز ضرور ان باتوں پر عمل پیرا ہوں گے اور اپنی فلاح و کامرانی کی طرف بڑھینگے۔ واللہ الموفق و المعین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔



حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ اور خدمت دین

از مولانا محمد طیب الدین صاحب شاہنی مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق ۱۲۰۷ھ میں ہوئی۔ علوم نقلیہ عقلیہ کی تکمیل آپ نے والد بزرگوار ہی سے فرمائی اور اسی دوران حصول تعلیم میں آپ نے فن حرب بھی سیکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بیس سال کی عمر میں حفظ قرآن بھی کرلیا۔ اسوقت میں حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کی تحفہ اثنا عشریہ شائع ہوئی۔ کتاب مذکور کو دیکھکر پھر دوبارہ جذبہ ہوا کہ مصنف کتاب سے مزید تکمیل علم فرمائیں۔ لیکن والد کی اجازت نہ ملنے پر آپ مدراس میں مولانا بحر العلومؒ اور مولانا باقر آگاہؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور آپ دونوں سے تیمناً کچھ پڑھکر مزید مولانا بحر العلوم کے داماد مولانا علاؤ الدین سے پانچ سال حصول علم فرمایا۔ حصول علم کے بعد آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن محوی رحمہٗ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور انہیں کے زیر سایہ سلوک طے فرمایا اور انہیں سے نکات سلوک و معرفت و حقیقت کی تکمیل فرماتے رہے۔ بعد تکمیل والد ہی سے اکیسو اکیانوے[۱۹۱]

> یہ دعوت نامہ جس کو حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ المشہور قطب ویلور نے ملکہ وکٹوریہ اور اس کے وزراء اور جملہ عیسائیوں کے نام روانہ کیا تھا حضرت ہی کے ہاتھ کا تیار کیا ہوا مسودہ اتفاق سے مل گیا، لہٰذا اس کی نقل مع ترجمہ افادۂ ناظرین اللطیف کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

سلاسل کی اجازت و خلافت حاصل کیا۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد جب آپ مسند نشین ہوئے اور پوری ذمہ داری اپنے سر لی تو تمام امور انجام دینے کے ساتھ مابقی اوقات کو خدمت دین میں صرف فرماتے اور اُسی جانب آپ کا رجحان زیادہ تر رہا اور ہر ممکن ذرائع جس سے عروج دین متین کی راہ پیدا ہو اور اسلام زیادہ سے زیادہ ترقی کرے ضرور اختیار فرماتے اور ہر لحظہ لوگوں کو امر و نہی کی جانب رغبت دلانے کی ہر ممکن کوشش فرماتے۔

غیر مسلموں کے ساتھ رفتار و گفتار میں آپ کا سلوک ایسا ہی رہا جس سے دین حق کی خوبیاں زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوسکے تاکہ وہ اسلام کی خوبیوں پر غور کرتے ہوئے اسکو اختیار کرنے کی جانب راغب و مائل ہوں۔ آپ کے جذبات خدمت دین سے یہی پتہ چلتا تھا کہ ساری دنیا علم اسلام کے نیچے آجائے اور ہر وہ مسلمان جو بدعات اور غیر اسلامی تصورات میں غرق اور فرنگی تہذیب کی جانب مائل ہو رہے ہیں۔ پورے طور پر مومن ہو جائیں، جب ہی آپ کو اطمینان و سکون ہوگا۔ ہمیشہ اپنے

متعلقین، مریدین، معتقدین کو جادۂ شریعت پر سختی سے مستقیم رہنے کی ہدایت فرماتے رہتے اور ہمیشہ ان کو تاکید فرماتے کہ کوئی ایسا کام ہرگز اختیار نہ کرو، جو مرضی خدا و رسول کے خلاف ہو، اس لئے کہ اصل کام خدا اور رسولؐ کی مرضی ڈھونڈنا ہے، خواہ وہ جسطرح بھی مل جائے، علاوہ ازیں لغو اور لہو ہے۔

تدریس، تحریر و تقریر ہر حیثیت سے خدمت دین انجام دینے کی کوشش فرماتے۔ اسی کثرت جذبات کے سبب صبح و شام کی نصیحت کے علاوہ آپنے جمعہ میں مردوں میں اور دوشنبہ کے دن عورتوں میں بالالتزام وعظ و تقریر کا سلسلہ جاری فرمایا تھا اسی دوران میں بعض ایسے معاندین تھے جن کو یہ نہ دیکھا گیا تو انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ یقین دلایا کہ آپ مسلمانوں کو کمپنی کے خلاف جہاد پر ابھارتے ہیں اور اسکی تیاری فرمارہے ہیں۔ کمپنی مذکور اگرچہ والئی میسور کو شہید کرکے میسور فتح کر چکی تھی۔ لیکن ملک میں عوامی اضطراب کی وجہ سے خود اس کو استحکام حاصل نہ ہو سکا تھا اور ہر طرف عوام سے حکومت کے خلاف جنگ کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ پھر مزید یہ کہ قلعہ ویلور کے اندر بھی ٹیپو سلطانؒ کے خاندان والوں سے دوبارہ جنگ ہوئی۔ یقین ہو گیا کہ ضرور ایسا ہوگا۔

چنانچہ کمپنی کی جانب سے آپ کو نگرانی میں لیکر تفتیش حال کا حکم جاری کیا گیا جس صبح کو آپ کو جانا تھا شب میں دل میں بہت زیادہ بیقراری محسوس ہوئی۔ اسی بیقراری کے عالم میں اپنے والد اور جد کے مزار اقدس پر آکر مراقب ہوئے اتنے میں دیکھتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمارہے ہیں کہ فرزند غمگین ہونے کی بات نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا امتحان ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا۔! اتنا فرماکر حضورؐ نے آپ کے سینۂ مبارک پر ہاتھ پھیر دیا جس سے آپ کو سکون قلبی حاصل ہوا اور صبح بے چینی سے پالکی کا انتظار کرنے لگے۔ چنانچہ پالکی آئی اور آپ اس میں سوار ہو گئے اور یہاں سے آپ کو چتور جیل کے ایک کمرہ میں رکھا گیا۔ رات کو نگرانی کرنے والے نے دیکھا کہ کمرے میں روشنی ہو رہی ہے اور حضرت شیخ نہیں ہیں۔ یہ دیکھکر اس نے سوپرنٹنڈنٹ جیل کو لاکر دکھلایا۔ وہ بھی دیکھ کر حیران ہو گیا۔ جب دروازہ کھولا گیا تو دیکھا کہ اندھیرا ہے اور شیخ سربسجود ہیں دیکھ کر سبھی لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور سپرنٹنڈنٹ نے معذرت چاہی تو شیخ نے فرمایا کہ میں ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اسکی رضا ڈھونڈتا ہوں۔ مجھے کسی خلق خدا سے کوئی گلہ نہیں ہے ؎

گر گزندت رسد زخلق مرنج
کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج
از خدا داں خلاف دشمن و دوست
کہ دل ہر دو در تصرف اوست،
گرچہ تیر از کماں ہمیں گزرد
از کماندار بیند اہل خرد

اور پھر آپ کے لئے بہتر انتظام کیا۔ جب آپ کا مقدمہ پیش ہوا اور چار یوروپین جج اسکی سماعت کے لئے بیٹھے اور کلکتہ کے ایک وکیل جو مختلف زبانوں کے ماہر تھے وہ بحث کے لئے بلائے گئے۔ مخالفین کی جانب سے گواہی دینے والے مسلمانوں کی تعداد تقریباً ستر تھی۔ پورے گواہوں کے بیان کے بعد ان میں سے کوئی ایسا نہ نکلا جو صحیح ہو۔ بالآخر ان ججوں نے آپکے حق میں حق فیصلہ کیا اور تمام واقعات سے وکٹوریہ کو اطلاع کیا۔ اس کے جواب میں وکٹوریہ کی طرف سے معذرت نامہ آیا، اس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ میرے لئے سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ تم اسلام قبول کرلو اور حسب ذیل الفاظ میں آپنے دعوۃ اسلام دی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي خلق الانسان من نطفة فجعله سميعًا بصيرًا واعطاه قلبًا منيرًا ثم وهب لمن اراد في العاجلة نعيمًا ملكًا كبيرًا ورَبّى بدنه و قلبه ولتربية بدنه صب الماء صبًا و شق الارض شقًا وانبت فيها حبًا وعنبًا وقضبًا وزيتونًا ونخلا وحدائق غُلبًا وفاكهة وابًا متاعا لكم ولانعامكم ولتربية قلبه ارسل رسلا هداة الى خالقه وربه ...

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس نے انسان کو نطفے سے پیدا فرمایا پھر اس کے کان اور ناک بنائے اور ایک روشن قلب عطا کیا، پھر دنیا میں جسکو چاہا دولت اور ملک عطا کیا، پھر اس کے قلب اور جسم کی تربیت فرمائی، اسکے جسم کی تربیت کے لئے اوپر سے پانی برسایا اور زمین کو پھاڑ کر چیرا اور اس کے اندر غلّے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون و کھجور اور گھنے باغ اور میوہ چارہ اس کے اور اسکے جانوروں کے فائدوں کے لئے اُگایا۔ اور اسکی قلبی تربیت کے لئے رسولوں کو اس کے رب اور خالق کی جانب راستہ بتانے کے لئے مبعوث فرمایا۔

ايها الملك! كان عيسى رسول الله وعبده كما كان موسى ومحمد رسول الله وعبده ايدهم الله بالايات والمعجزات لتميز الصادق عن الكاذب في دعوى الرسالات وما كانوا الٰهًا ومعبودًا۔

اے ملک! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے جسطرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی معجزے اور نشانی کے ذریعہ تائید فرمائی تاکہ دعوی رسالت میں جھوٹے اور سچے الگ ہو جائیں اور نہیں ہیں وہ معبود اور الٰہ۔

ايها الملك! جاء عيسى بآيات من ربه يصوّر من الطين كهيئة الطير فينفخ فيه فطيرًا باذن الله ويبرئ الاكمه والابرص ويحي الموتى باذن الله كما جاء موسى يفلق البحر وجاء محمد يشق القمر فقد جاءوا بالانباء العظيم وقالوا ان الله ربي وربكم فاعبدوه هذا صراط مستقيم۔

اے ملک! عیسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی نشانیوں کے ساتھ آئے تھے۔ مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے۔ پس اس میں پھونکتے تھے تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے تھے اور مُردوں کو زندہ کرتے تھے اللہ کے حکم سے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام دریا کو پھاڑتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور چاند کو شق فرمایا تو تحقیق کہ سب معجزوں اور کتاب عظیم کے ساتھ تشریف لائے اور سبھوں نے کہا بے شک اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے تو اسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھی راہ ہے۔

ايها الملك! كان عيسى مخلوقا من غير الاب كما كان آدم من غير الاب والام فكيف

اے ملک! حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے

يكون خالقًا وربًا۔

ايها الملك! كان عيسىٰ عبدًا مغلوبًا من اليهود وان الله غالب على كل شئ فالعبد المغلوب كيف يكون الهًا ومعبودًا۔

أيها الملك! يوخذ العبد بذنبه لا بذنب غيره ولا تزر وازرة وزر اخرىٰ فكيف أخذ الله عيسىٰ بذنب اُمّتِه والقاه في جهنم واخذ بعقوبته۔

أيها الملك اخذ البريّ بذنب غيره ظلم فاحش والله عادل فكيف يكون ظالمًا سبحانه وتعالىٰ عمّا يقولون۔

ايها الملك بشّر يحيىٰ بان النبي الكبير يأتي من بعدي كما في الباب الثالث من متّى وكان عيسىٰ نبيًا مبعوثًا الى بني اسرائيل حاضرًا بين يَدَي يحيىٰ فكيف يكون نبيًا مبشرًا۔

ايها الملك ما ادعى احد من الانبياء الذين سبقوا على نبينا محمد بانقطاع النبوة فكيف خلا الزمان الى هذا الامد البعيد عن النبي ناصحًا امينًا

ايها الملك ادّعى نبيا بانّه نبي مبعوث الى الناس كافة وخاتم الانبياء ولم يات نبيّ بعده كما ادّعاه فكيف لم يكن نبيًا مبشرًا خاتمًا۔

پس خالق اور رب کیسے پیدا ہو سکتے ہیں۔

اے ملکہ عیسیٰ علیہ السلام ایک بندہ مغلوب یہود سے تھے اور اللہ ہر چیز پر غالب ہے، پس عبدِ مغلوب معبود اور الٰہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اے ملکہ! بندہ اپنے گناہ کے سبب سے پکڑا جاتا ہے، غیر کے گناہ سے نہیں اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے کیونکر عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کی امت کے بدلے پکڑا اور ان کو دوزخ میں ڈال کر عذاب میں ماخوذ کیا۔

اے ملکہ کسی بے گناہ کو غیر کے گناہ کے سبب سے گرفتار کرنا کھلا ظلم ہے اور اللہ کی ذات عادل ہے تو اللہ کیسے ظالم ہوگا۔ اس کی ذات پاک اور بلند ہے اس سے جو کفار کہتے ہیں۔

اے ملکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک بزرگ نبی کے آنے کی بشارت دی جیسا کہ متی انجیل کے تیسرے باب میں ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی جانب حضرت یحییٰ کی موجودگی میں نبی بنا کر مبعوث کئے گئے تو حضرت یحییٰ کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیسے ہوگی۔

اے ملکہ پیغمبروں میں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ہوئے ہیں کسی نے ختم نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تو کس طرح زمانہ مدت دراز تک نبی ناصح امین سے خالی رہے گا۔

اے ملکہ ہمارے نبی نے اس بات کے ساتھ دعویٰ کیا کہ وہ تحقیقاً نبی ہیں اور تمام انسانوں کی جانب بھیجے گئے ہیں یقیناً خاتم الانبیاء ہیں اور کوئی نبی ان کے بعد نہیں آیا جیسا کہ انہوں نے دعوے کیا تو نبی مبشر کیسے خاتم النبیین نہ ہوں گے۔

ایها الملك. ان الانکار من عمّال الملك بغی کذالك الانکار من انبیاء الله کفر وان الانکار من نبی الله عیسی کفر کذالك الانکار من نبی الله محمد کفر عصمنا الله تعالی عمّا ینکرون ـ

اے ملکہ! بے شک عاملوں سے انکار بادشاہ سے بغاوت ہے اسی طرح اللہ کے نبیوں سے انکار کفر ہے اور بے شک انکار اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام سے کفر ہے ایسا ہی انکار اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر ہے ہمیں اللہ تعالیٰ ان سے جو انکار کرتے ہیں محفوظ رکھے (آمین)

ایها الملك ان البغی موجب للآفات کذالك الکفر مورث للعقوبات وانّ فی اطاعة الملك وعامله امن وراحة ولیس فی عیش المطیع ولا فی سکونه ثقبة کذالك فی الایمان بالله ونبیه امان وجنة ولیس فی دولة الملك ولا فی ملکه ثلمة ؕ

اے ملکہ! تحقیق کہ بغاوت آفتوں کے لئے سبب ہے۔ اسی طرح کفر عذاب کے لئے سبب ہے اور یقیناً بادشاہ اور اسکے عاملوں کی اطاعت میں امن اور راحت ہے اور فرماں بردار کے عیش اور سکون میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ ایمان لانے میں امان اور جنّت ہے اور بادشاہ کے دولت و ملک میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔

ایها الملك الدولة الفانیة سمٌّ قاتل والملك ظل زائل یزول بحادث او وارث فالموت حق والبرزخ حق والبعث حق والحساب حق وعلم الله بالسر والعلانیة حق والجنة والنار حق خف من الله تعالی فانه خلقك ورباك واعطاك ملکا وبیده الحیوة والموت والبعث والحساب والعفو والعقاب انه هو الغفور رحیم وان بطشه شدید وعذابه الیم ـ

اے ملکہ مال و دولت فانی زہر قاتل ہے۔ سایہ ڈوبنے والا ہے کسی حادثہ یا کسی وارث سے زائل ہو جاتا ہے پس موت حق ہے اور حساب حق ہے، اور اللہ کا ظاہر و پوشیدہ کو جاننا حق ہے۔ جنّت و نار حق ہے، اور اللہ سے ڈر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو پیدا فرما کر تیری پرورش کی اور تجھے ملک عطا فرمایا اور اس کے ہاتھ میں حیات و موت اور مر کر اٹھنا اور حساب عفو و عقاب ہے، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے اور بے شک اسکی سخت پکڑ اور عذاب دردناک ہے۔

ایها الملك لا تجعل مع الله الها اٰخر فتلقی فی جهنم ملومًا مدحورًا ـ

اے ملکہ! اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ ٹھہراؤ کیونکہ وہ ملامت کیا ہوا رونده ہوا دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔

ایها الملك ان اهل الکتاب لم یعبدون المخلوق ویذرون الخالق وهم یعقلون ولم یلبسون الحق بالباطل وتکتمون الحق وهم یعلمون

اے ملکہ! تحقیق کہ اہل کتاب مخلوق کو کیوں پوجتے ہیں اور کیوں خالق کو چھوڑتے ہیں حالانکہ عقل رکھتے ہیں اور کس واسطے حق کو باطل کے ساتھ چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

ایھا الملك ! انی لا اقول لاھل الکتاب الّا ان تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرك بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولّوا فاشھدوا بانّا موحّدون۔

ایھا الملك ! انی ادعوك الی اللہ تعالی وتوحیدہ اَسلِم تَسلَم یؤتك اللہ اجرَك مرتین اجرَك واجر التابعین فان تولیت فعلیك اثمك واثم المطیعین۔

ایھا الملك ! انی لست بنبیّ ولا رسولٍ ولکنی لجدی محمد رسول اللہ وارث و لآخرتی حارث۔

ایھا الملك انی لك ناصح امین ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الّا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

ایھا الملك ما اسئلك علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔

من محی الدین وارث خاتم النبیّین الی الملکة الوکتوریہ وارکان المشورة وسائر العیسویون ھداھم اللہ الی سبیل الرشاد وحماہ عن کل شرٍّ وفسادٍ۔

اے ملکہ ! میں اہل کتاب کو نہیں کہتا، مگر یہی بات کہ ایک بات کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہیں، یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں کا بعض بعض کو سوائے اللہ کے معبود نہ ٹھہرائے بس اگر تم پھر جاؤ تو گواہ رہو اس بات کے ساتھ کہ ہم موحّد ہیں۔

اے ملکہ ! بے شک میں اللہ اور اسکی توحید کی جانب بلاتا ہوں تو اسلام لاؤ سلامت رہو گی تجھ کو اللہ تعالیٰ تیرا دو بدلہ دے گا۔ تیرا بدلہ اور تیرے تابعین کا بدلہ بس اگر پھر گئی تو تجھ پر تیرا اور تیرے تابعین کا گناہ ہے۔

اے ملکہ بے شک میں نبی اور رسول نہیں ہوں لیکن میں اپنے جد محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہوں اور اپنی آخرت کے واسطے کاشتکار ہوں۔

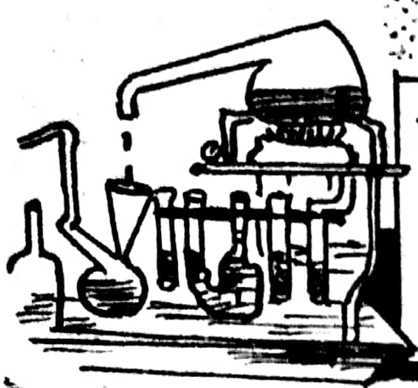
اے ملکہ ! بے شک میں تم لوگوں کو نصیحت کرنے والا امین ہوں سوائے نیکی کے ارادہ نہیں رکھتا ہوں جسقدر کہ طاقت رکھتا ہوں اور نہیں ہے توفیق مگر اللہ ہی کی جانب سے اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

اے ملکہ ! میں اسپر تم سے کچھ بدلہ نہیں چاہتا ہوں بے شک میرا بدلہ میرے رب العالمین پر ہے۔

محی الدین وارث خاتم المرسلین کی جانب سے ملکۂ وکٹوریہ اور اس کے وزراء اور تمام عیسائیوں کی طرف اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے اور واضح راستہ کی ہدایت دے اور ان کو گمراہی و فساد سے بچائے۔

ملکہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ "میں اسلام کی حقّانیت کی معترف ضرور ہوں لیکن

میرے سامنے چند ایسے عذر ہیں جسکی بنا پر میں اسلام قبول کرنے سے قاصر ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں سبات پر ہمیشہ ضرور فخر کروں گی کہ میری اتنی بڑی وسیع سلطنت میں انڈیا ہی کے اندر ایک ایسا جواں مرد جو سچا اسلام کا ہمدرد اور داعیٔ حق ہے، اور اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔"



اسلام اور علوم جدیدہ

از مولوی سید مصطفےٰ حسین بخاری لطیفی کڈپوی متعلم زمرہ مولوی فاضل
(و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف مکان حضرت قطب ویلور دارالسرور)

موضوع پر روشنی ڈالنے سے پہلے اس حقیقت کو واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اصول وضوابط اسلام یعنی قرآن عظیم جو قیامت تک کیلئے نازل کیا گیا ہے جو آج سے چودہ سو سال پیشتر جس اصلیت کے ساتھ نازل ہوا آج بھی اپنی اسی اصلی حالت میں موجود ہے جسکی حفاظت کی ذمہ داری خود رب العالمین نے لی ہے نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ یعنی ہم نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور ہم اسی کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس کے اندر کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں، ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ، یہی وہ مقدس اور عظیم کتاب ہے جس میں کائنات کی ساری چیزوں اور سارے علوم کو بیان کر دیا گیا ہے اور ہر چیز کو واضح کر دیا گیا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ مُّبِیْنٍ، یعنی کائنات کے ہر خشک و تر چیز کا ذکر اس کے اندر موجود ہے۔ اس دعوے کو صرف اپنے ہی نہیں بلکہ غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اور اسکی حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے انداز میں اپنے رسول سے یوں بیان فرما رہا ہے نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ ہم نے اے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) تمہارے اوپر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔

معلوم ہوا قرآن مجید تمام علوم کا مرکز ہے۔ ازل سے لیکر ابد تک ہونیوالی تمام اشیاء کو اس میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اب ضروری ہے کہ اسکی گہرائیوں میں ڈوب کر ان موتیوں کو نکالا جائے جس کے لئے عقل سلیم وتیز بصیرت کی ضرورت ہے۔

صد جہان تازہ در آیات اوست
عصرہا پیچیدہ در آیاتِ اوست (اقبال)

اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کائنات کی اشیاء میں حقیقت کی جستجو کرے اور اسباب کو جاننے کی کوشش کرے کہ

اس کا خالق و قیوم کتنی غیر محدود قوتوں کا مالک ہے جس کی صناعی کا یہ عالم ہے کہ ایک مخلوق دوسری مخلوق کی شکل نہیں جسکی ہر تخلیق کردہ شئی ایک ایسے نظام میں مربوط ہے کہ اس سے ذرا سا فرق بھی یقیناً تباہی کا سبب ہے۔ بجلیوں کی کڑک، باد صرصر و نسیم سحری کے جھونکے فضائے نیلگوں میں ابر بہاری کا وجود اسی طرح حیات انسانی کی بقا کے لئے لذیذ اور مقوی غذاؤں کے ساتھ مختلف قسم کی معدنیات، پٹرولیم کے چشمے، انڈر گراؤنڈ گیاس کی پیداوار اور خوش رنگ و ہیبت ناک جانوروں کے وجود سے انسانی فکر کو متحیر کر رکھا ہے۔

یہ تمام چیزیں انسان پر اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ کائنات کی تخلیق یوں ہی بیکار نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ان کی تخلیق میں خالق کائنات نے اپنی حکمتوں کو پوشیدہ رکھا ہے۔ اگر تمہیں عقل ہے تو اس کو پہچاننے کی کوشش کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ صاف لفظوں میں مخاطب کر رہا ہے سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتیٰ یتبین لہم انہ الحق۔ یعنی عنقریب ہم ان کو نفس انسانی کے اندر اور خارج کی دنیا میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے (یعنی ان کی نفسیات طبعیات اور حیاتیات کے بعض حقائق سے آشنا کرینگے) حتیٰ کہ ان پر یہ ثابت ہو جائے گا کہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے۔ (قرآن اور علم جدید)

مغرب اور مغرب زدہ چند کوتاہ بین حضرات نے یہ کہدیا کہ اسلام (نعوذ باللہ) ایک فرسودہ اور منجمد مذہب ہے جس میں زمانۂ حاضرہ کا ساتھ دینے کی صلاحیتیں مفقود ہیں۔ ان کا یہ کہنا سراسر لغو اور حقیقت سے انکار ہے۔

اسلام ایک نہایت ہی وسیع النظر مذہب ہے جو انسان کو راہبانہ زندگی سے نکال کر کائنات میں غور و فکر اور اس سے استفادہ کی جانب مائل کر رہا ہے اور الحکمۃ ضالۃ المومنین کہہ کر انسان کو ہر عمدہ و بہترین چیزوں کے حصول کی ترغیب دے رہا ہے۔ اسلام ہی وہ بلند تصورات کا حامل مذہب ہے جس نے اپنے ماننے والوں میں ترقیوں کا جذبہ پیدا کیا اور انکی بہترین و اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کو جنگ و جدل اور دیگر غلاظتوں سے پاک کر کے ترقی کے شاہراہوں پر لگایا۔ جس کا لازمی نتیجہ ان کے سامنے یہ آیا کہ اپنے دور حکومت میں انہوں نے بے شمار ترقیاں کیں اور دنیا کی استاذی کا شرف حاصل کیا جسکی وجہ سے دنیا آج بھی ان کی مرہون منت ہے۔ اور یہ کہنے پر مجبور ہے کہ "شاید عرب (یعنی مسلمان) اس لئے پیدا ہوئے کہ وہ دنیا کی استاذی کریں"۔

اہل علم حضرات پر یہ بات بخوبی واضح ہے کہ اسلام ہی تھا۔ جس نے اہل یورپ کو تہذیب و تمدن کا سبق دیا۔ آج بھی اہل یورپ اس کے بعض اصولوں پر عمل پیرا ہو کر خود کو دنیا کی مہذب ترین اور ترقی یافتہ قوم شمار کرتے ہیں۔ رابرٹ برنالٹ اپنی تصنیف ارتقائے انسانی میں لکھتا ہے کہ اگر قوم مسلم کا وجود نہ ہوتا تو یورپ کا موجودہ تمدن دیگر تمام قدیم تمدنوں پر فوقیت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

یوروپین تمدن کے ہر پہلو پر اسلام کا اثر نمایاں طور پر ظاہر ہوا اور یہ اثر سب سے زیادہ سائنس اور اس کی روح پر پڑا ہے، جو موجودہ تمدن کی فوقیت کا سبب ہے جس وقت کہ یورپ تباہی و بربادی کی انتہائی گہرائیوں میں آخری سانس لے رہا تھا، اسلامی ممالک، قاہرہ، بغداد، قرطبہ اور طلیطلہ میں تہذیب و تمدن کی عظیم یونیورسٹیاں قائم ہو رہی تھیں۔

جہاں سے زندگی کا ایک چشمہ جاری ہوا اور یورپ کے مردہ جسم میں زندگی کی ایک نئی روح ڈالی۔

ڈاکٹر محمد اقبال ۱۹۱۱ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس جو دہلی میں آپ ہی کی زیر صدارت منعقد ہوئی تھی۔ جس میں صدر موصوف اسلام اور علوم جدیدہ پر تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کے علمی کارنامے کے متعلق فرماتے ہیں کہ :۔

"زمانۂ حاضرہ میں مسلمانوں نے اسلام اور علوم جدیدہ کے مابین کیا تعلق ہے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور یہ بات میں پورے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام مغربی تہذیب کے تمام عمدہ اصولوں کا سرچشمہ ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں جبکہ یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا، یورپ میں سائنس کا چرچا مسلمانوں ہی کی یونیورسٹیوں سے ہوا تھا۔ ان یونیورسٹیوں میں مختلف ممالک یورپ کے طلبا آکر تعلیم حاصل کرتے اور پھر اپنے اپنے حلقوں میں جاکر علوم وفنون کی اشاعت کرتے تھے۔

کسی یوروپین کا یہ کہنا کہ اسلام اور علوم جدیدہ یکجا جمع نہیں ہوسکتے سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اور مجھے تعجب ہے کہ علوم اسلام اور تاریخ موجود ہونے کے باوجود کوئی شخص کیونکر انکار کرسکتا ہے، کہ علوم جدیدہ اور اسلام ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔"

مذکورہ گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام اور علوم جدیدہ میں بالکل تنافات نہیں۔ مذہب اسلام اپنے اندر ایک عجیب لچک رکھتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ تم ضرور ترقی کرو لیکن حدود شرعی میں رہ کر تم ضرور فضاؤں میں پرواز کرو لیکن اس حال میں کہ اللہ کا تصور تمہارے اندر بالکل راسخ ہو۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ کامیابیاں اور ترقیاں تمہارے لئے وبال جان بن جائیں۔

ملاحظہ فرمائیں کہ مسلمانوں نے اپنے دور سلطنت میں کیسے کیسے محیر العقول کارنامے انجام دئے ہیں کہ جن کو دیکھ کر دنیا انگشت بدندان تھی اور ہے۔ جب مسلمان فاتحانہ حیثیت سے روم و یونان اور دیگر مختلف مقامات میں داخل ہوئے تو وہاں کے علوم وفنون میں پوری طرح سے دلچسپی لی اور اسکو بہت زیادہ ترقی دی۔ مثلاً علم ہیئت، ریاضی۔ ہندسہ۔ علم جمادات علم نباتات، علم حیوانات، فلسفہ ومنطق اور دیگر علوم میں مہارت تامہ حاصل کرتے ہوئے ان میں بہت سی جدید آسانیاں پیدا کیں۔ جن مسائل کے سمجھانے میں افلاطون جیسے حکماء نے بخالت سے کام لیا جن کے سمجھنے میں حکمائے یونان غلطیاں کر بیٹھے، مسلمانوں نے اس کی تصیحح کی اور ان مسائل کو وضاحت کے ساتھ اہل علم کے سامنے رکھا جس سے ان کی فیاضی اور علم دوستی کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ شبلیؒ معترضین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"مسلمانوں نے صرف یونانی کتابوں کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ دنیا کو ان کے مطالب بھی سمجھائے، جس کو خود یونان کے شارحوں نے نہیں سمجھا تھا۔"

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں :۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ افلاطون دانستہ طور پر ایک نہایت پیچیدہ طریقہ سے بیان کرتا تھا۔ اس لئے خود یونانی حکمائے اس کے مطالب سمجھنے میں اکثر غلطیاں کیں لیکن حکمائے اسلام خصوصًا فارابی نے نہایت صحت وخوبی سے ان کی تشریح کی ہے۔"

ناظرین! حکمائے اسلام نے ہر ایک علم وفن پر سیر حاصل بحث کی ان کتابوں کو پھر سے زندگی بخشی۔ جو مردہ ہوگئی تھیں، اور مسلمانوں کی یہی ترجمہ شدہ واصلاح کردہ کتابیں اور مسلمانوں کی جدید تحقیقات نے یورپ میں پہنچکر تہلکہ مچادیا۔ اور انہیں چیزوں سے اہل یورپ نے استفادہ کیا۔

لہٰذا ایسی صورت میں انگریز کا مذکورۃ الصدر جملہ کہ :-

شاید عرب (یعنی مسلمان) اسی لئے پیدا ہوئے
کہ وہ دنیا کی استادی کریں"۔

اعتراف حقیقت ہے۔ اہل یوروپ کی ترقی کا اصل راز یہ ہے کہ وہ جس ملک میں بھی بحیثیت فاتح داخل ہوئے، ان کا اولین فرض اس ملک کے کتب خانہ پر قبضہ اور اسکی بہترین و کارآمد کتابوں کو اپنے ملک کو منتقل کر دینا تھا۔ لہٰذا تقریباً دنیا کے ہر ملک و ہر فن کی کتاب برطانیہ کے عظیم کتبخانہ وکٹوریہ لائبریری میں ملیگی۔ اگر ہم یہاں کہیں کہ وہ مسلمانوں کے پس خوردہ اشیاء کو لیکر ترقی کر رہے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ علامہ اقبالؒ نے صحیح فرمایا ؎

"حکمت اشیاء فرنگی زاد نیست
اصل او جز لذت ایجاد نیست
لیک اگر بینی مسلماں زادہ ہست
ایں گہر از دست ما افتادہ است
ایں پری از شیشۂ اسلاف ماست
باز صیدش کن کہ او از قاف ماست

اس کے ساتھ ساتھ ذرا مسلمانوں کی انجینیرنگ پر بھی ایک نظر ڈالتے جایئے، مسلمانوں کا کام صرف علم حاصل کر لینا نہیں تھا۔ بلکہ وہ اس میں عملی تجربہ سے کام لیا کرتے تھے، مسلمانوں نے علم الحیل یعنی انجینیرنگ میں مستقل جدید کتابیں، اور رسالہ ضبط تحریر کیا۔

اور اس فن کو بھی انہوں نے بہت زیادہ عروج دیا۔ چنانچہ خلیفہ ہارون رشید نے شاہ شارلمین کو بطور تحفہ ایک گھڑی روانہ کیا تھا۔ جسکو دیکھ کر اہل دربار متحیر ہو گئے۔ اور اسے جادو سے تعبیر کیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ عباسی نے شہر بغداد میں اپنے نام پر تعمیر کردہ مدرسۂ مستنصریہ کیلئے ایک گھڑی بنوائی تھی، اس گھڑی کی شکل یہ تھی کہ لاجورد کا ایک آسمانی حلقہ بنا ہوا تھا، جس پر ایک آفتاب گردش کرتا تھا۔ اسکے ذریعہ وقت معلوم کیا جاتا تھا۔

دمشق کی جامع مسجد پر ایک گھڑی نصب کی گئی تھی۔ جس میں بارہ دروازے تھے۔ ہر ایک گھنٹہ کے گزرنے پر گھنٹوں کی تعداد کے مطابق دروازے کھل جاتے تھے۔ اسی کی مقدار تانبہ کی وزنی گولیاں لوہے کی تھالی پر گرتیں، جس سے گھنٹہ بجنے کی آواز پیدا ہوتی۔ جب دورہ پورا ہو جاتا تو بارہ سوار دروازوں سے نکل کر گھڑی کے بالائی حصہ پر چکر لگاتے۔ ایک انگریز مصنف طالید (Tadleta) نے بھی اس گھڑی کی تصدیق کی ہے۔

مورخ ابن خلکان نے بنو موسیٰ کی فن تکنیکل پر جو بہت ہی محقق اور اشیاء کی ایجاد پر بلند تصنیف ہے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب اس فن میں لکھی ہوئی تمام کتابوں سے قابل ترین ہے۔ مورخ ابن ندیم نے مذکورہ تصنیف کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں کئی قسم کے انجینیرنگ کاموں کی وضاحت موجود ہے فرانس کا مشہور مصنف پروفیسر سیدیو (Sedillot) کہتا ہے کہ مسلمانوں کے دور میں فن میکینزم پورے عروج پر پہنچ چکا تھا۔

فرانسیسی مورخ موسیو لیبان (Leban) کہتا ہے، کہ مسلمانوں نے نویں صدی عیسوی سے لیکر پندرہویں صدی عیسوی تک بیش بہا ایجادات کی ہیں۔ انجینیری کے اہم انکشافات مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ خاص کر انہیں عملی مکینکس سے بہت واقفیت تھی، جن کے ایجاد کردہ آلات آج بھی مل سکتے ہیں۔

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ بارود کے اجزاء کو جس ترکیب سے مسلمانوں نے بنایا تھا، آج بھی بارود کی ترکیبی حیثیت وہی ہے۔ والی میسور ٹیپو سلطان شہیدؒ نے ایک ایسی بندوق ایجاد کی تھی جسکی نالی پر نشانہ یا ئینٹ کی بجائے ایک مکھی نصب کر دی گئی تھی، جسکے پر کھلے ہوئے تھے۔ جب تک کہ نشانہ درست نہ ہو جاتا پر تھرتھراتے تھے۔ اور مسلمانوں

(ملاحظہ ہو صفحہ ۷۶)

اسلام میں رواداری و مساوات

از ڈی۔ لیف۔ فیاض محی الدین بھٹکلی متعلم
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

ناظرین! اسلام ہی جہان کا وہ واحد مذہب ہے، جس نے انسان کو ہلاکت وبربادی سے بچا کر صراط مستقیم پر لا کھڑا کیا اور جس کے حق ہونے میں ذرا بھی ریب وشک کی گنجائش نہیں، جو انسان کے دنیا وآخرت کی کامیابی کا ضامن ہے اور ہر حال میں اس کا معاون ہے اور ہر منزل میں اسکی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ وہ سیاسی ہو، یا تہذیبی وتمدنی، معاشرتی ہو سماجی وغیرہ۔

اور اسلام ہر دور میں اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ ہر مسئلہ کا صحیح حل دنیا والوں کے سامنے پیش کرتا رہا۔ جس نے بھی اسے اپنایا فیروزمندی اس کا قدم چومتی رہی۔

یہ مسلّم بات ہے کہ اسلام ساری دنیا کے لئے آیا اور جب کبھی اسکے دامن میں کسی قوم نے پناہ لیا اسلام ہمیشہ اس کو پناہ دیتا رہا۔ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی تعلیم کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس سے ہر صاحب فہم ودانش خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ایک ہی طور پر فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ فطری مذہب ہونے کی وجہ سے ہر ایک کے لئے اپنے اندر کشش وجاذبیت رکھتا ہے۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے موضوع کے تحت اسلام کے بعض گوشہائے رواداری ومساوات پر تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالوں تاکہ ہر ایک پر اس کی حقانیت واضح ہو جائے۔

ہر زمانے میں ہر ملک وقوم ہر فرد جماعت کی یہ دلی خواہش رہی ہے کہ بحیثیت انسان ہونے کے وہ اپنی حق آزادی حاصل کرے اور آزاد فضا میں آرام وسکون کی زندگی بسر کرے۔

آج اس دور جدید میں جسے ترقی یافتہ دور کہا جاتا ہے جتنی بھی جمہوریتیں ہیں سب کی سب ناکارہ وناقص ثابت ہو رہی ہیں اور حقیقت شناس نگاہوں سے، دیکھیئے تو آج کی جمہوریتیں یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حقوق کیا ہیں۔ یہی نادانی حقوق انسان کی پامالی کر رہی ہے۔ اتنے مصائب و آلام کا سامنا کرنا، اس کے ناقص ہونے کی بین دلیل ہے، اس کے مقابل میں جمہوریت اسلام کو ملاحظہ فرمایئے کہ وہ اپنے اور اغیار کے حقوق کو کس حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرتی ہے۔ اور مسلم وغیر مسلم کے درمیان اور عبد ومولیٰ کے درمیان کس حسن وخوبی کے ساتھ رواداری و مساوات کا سبق دے رہی ہے۔

دور حاضر کی جمہوریت کا کردار یہی ہے کہ برسر اقتدار طبقہ عوام کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر کے خود اس سے فائدہ اٹھائیں لیکن اس کے مقابلہ میں اسلام نے جس سیاست کی بنیاد قائم کی ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے اس کے حقوق دلائیں۔ چنانچہ آپ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضہ کو اپنا امیر وخلیفہ منتخب کیا تو آپ نے اپنی پہلی ہی تقریر میں یوں ارشاد فرمایا کہ جب تک میں کمزوروں کو طاقتوروں سے ان کے حقوق نہیں دلاؤں گا اطمینان کی سانس نہیں لوں گا۔ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اعلان اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ اسلام کے نظامِ جمہوریت میں وہ سب کچھ شامل ہے جو جدید جمہوریت تصور کرتی ہے۔

اسلام کی جمہوریت کے بارے میں فرانس کا ایک مفکر کہتا ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے سب سے اوّل دنیا کو جمہوریت سے روشناس کیا اور مفکر مذکور آگے چل کر کہتا ہے کہ بات بہت ہی تعجب خیز ہے کہ اسلام نے عملی طور پر، جو جمہوریت کا نمونہ پیش کیا ہے، وہ بے نظیر ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اسلام کی جمہوریت کا مطالعہ کرکے اُسے اپنا رہنما بنائیں، اگر ہم اس کو اپنا رہنما نہیں بنائیں گے تو کبھی ہماری پریشانیوں کا ازالہ نہیں ہوسکتا۔

اسلام نے ہر زمانے میں غیر مسلم کے ساتھ حسن سلوک رواداری برتا اور ہمیشہ ان کے حقوق دلاتا رہا۔ یہ بات حق ہے کہ گذشتہ اسلامی دورِ حکومت میں مسلم سربراہوں نے کبھی نسل و رنگ کے امتیاز کو روا نہ رکھا۔

اور اسلام نے معاملات کے سلسلہ میں انسان کو جن باتوں پر عمل کی ہدایت دی ہے ان معاملات میں مسلم و غیر مسلم کے درمیان بالکل فرق اٹھا دیا ہے۔ اور ہمسایوں سے سلوک اور ان سے تعلق رکھنے کا جو حکم دیا ہے اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمسایوں کو بھی مسلمانوں کے وارثوں میں شامل نہ کر دیا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ کبھی مسلم حکمرانوں نے غیر مسلم کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جو غیر شریفانہ ہو۔ چنانچہ ایک غیر مسلم مؤرخ مسٹر ہنری کولی اپنی "تاریخ فتح ہسپانیہ" میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کا برتاؤ تمام اہلِ مذاہب سے نہایت ہی مصالحت و مسالمت کا تھا۔ اور یہی سب سے بڑی وجہ تھی کہ مفتوحہ اقوام ان کی اطاعت آسانی سے برداشت کرلیتی تھیں۔ اور مؤرخ مسٹر بیکر نے اپنی تاریخ میں، ایک جگہ پر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مفتی سے دریافت کیا گیا، کہ کسی ایسے عیسائی کو بے گناہ قتل کردیں جو بادشاہ کی رعیت میں ہو اور جزیہ ادا کرنے والا بھی ہو تو کیا کیا جائے گا۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ اگر ایک ہزار اور ایک مسلمان بھی ہونگے تب بھی سب کے سب قتل کئے جائیں گے۔

(ملاحظہ ہو ٹرکی اِن یورپ مصنفہ مسٹر بیکر صفحہ ۱۹۲)

"تاریخ شاہد ہے کہ ہر دَور میں اسلام کا دامن معاملاتِ ناس میں بے داغ رہا ہے۔ اسلام کے زبردست فقیہہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اسلام کے خلیفہ اوّل امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اسلامی سلطنت میں پناہ گزیں غیر مسلم ذمّی کا خون مساوی حیثیت رکھتا ہے۔

کیا اس مساوات کی مثال دنیا پیش کرسکتی ہے؟

اب تاریخ کی روشنی میں رواداریٔ اسلام ملاحظہ فرمائیں:-

سُلطان علاؤالدین خلجی اپنی رعایا پروری و حسن انتظام کی وجہ سے تاریخ میں مشہور حکمران گذرا ہے جس نے ملک ہندوستان کو منگولیا کے خونخوار حملہ آوروں سے محفوظ رکھا تھا اور اپنی اسی شجاعت و بہادری و جرأتمندی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔

چنگیز خان کی جیسی جرّار فوج نے بھی کبھی ہندوستان کا رُخ نہ کیا اگرچہ علاؤالدین اپنی سختی کی وجہ سے مشہور ہے۔ لیکن یہ بات ناقابلِ انکار ہے کہ اس نے اپنی رعیت کے ساتھ نہایت ہی مساویانہ سلوک کیا۔ رفاہِ عام کے لئے اور ملک کے خوشحال بنانے کے لئے نہایت سبق آموز خدمات انجام دئے جس کو سنہرے حرفوں سے لکھا جائیگا اسی طرح شیر شاہ سوری نے بھی اپنے عہدِ حکومت میں بہت سے ایسے فرائض انجام دئے جو اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے بہت ہی شہرت رکھتے ہیں۔

یہ وہ مُسلم حکمران تھا جو سخت مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی تمام غیر مسلم رعایا کو مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ اس کے

عہد زریں میں غیر مسلم کے ذمہ بڑے بڑے کلیدی عہدے سپرد تھے مسلم کے بہ نسبت غیر مسلم اس کے زیادہ فدائی تھے۔

ہندوؤں کے پاٹ شالاؤں کے لئے اس نے بڑی بڑی رقمیں مقرر کردی تھیں۔

سلطان سکندر لودھی کا واقعہ عام کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ جب اس نے تھانیسر میں ہر سال ہونے والے میلہ کو بعض اخلاقی خرابیوں کے باعث اس کے سدّباب کا ارادہ کیا تو میاں عبداللہ اجودھی نے جو بڑے پایہ کے بزرگ مشہور اور عالم دین اور اپنے وقت کے ولی تھے، انہوں نے اس بارے میں بادشاہ کی سخت مخالفت کی اور نہایت دلیری سے فرمایا، کہ غیر مسلم کے ہونے والے میلہ کو بند کرنا از روئے شریعت ناجائز ہے۔ سکندر لودھی کو اس بروقت کی بے باکانہ تنبیہ نے ناراض کردیا اور میاں صاحب کے قتل کے ارادہ سے خنجر لے کر ان کی طرف دوڑا، پھر بھی میاں صاحب اسی جرأتمندی سے یہی فرماتے رہے۔ اس جرأتمندانہ جواب کو سن کر بادشاہ کا غضب سرد پڑگیا اور اپنے اس ارادے وخیال سے باز آیا۔

ایک مشہور فرانسیسی سیاح نے لکھا ہے کہ مسلم سلاطین کے عہد حکومت میں بنگال کے ہزاروں عیسائیوں کو مذہبی رسوم و رواج ادا کرنے کی مکمل طور پہ آزادی حاصل تھی۔

سیاح موصوف نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے، کہ سلاطین جنوب ہند کے عہد میں بہت سے عیسائی کالج وخانقاہیں موجود تھیں اور عیسائی مبلغین اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے بہت آزادی سے آتے جاتے رہتے تھے۔ اور اپنی تبلیغی جدوجہد میں معروف رہا کرتے تھے۔

یورپی سیاحوں کے علاوہ ہندو مورخین بھی مسلم سلاطین کے حسن سلوک کے معترف ہیں۔ چنانچہ راج بہادر لالہ بیج ناتھ صاحب لکھتے ہیں کہ مسلم بادشاہوں کے دور حکومت میں ہندوؤں کے مذہب میں کوئی مداخلت نہیں ہوتی تھی اور نہ ان کے ساتھ عداوت وبغض رکھی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے ہندو لوگ اپنے مذہب کو کم تبدیل کیا کرتے تھے اور کبھی ان کے ساتھ جبر واکراہ نہیں کیا جاتا تھا۔

ناظرین! اسلام کے یہی وہ مساواتی اصول ہیں جس نے غیروں کو بھی اس کی حقانیت کے اعتراف پر مجبور کردیا ہے۔ عناد کی عینک لگائے دیکھنے والے خواہ کچھ بھی کہیں، لیکن حق ہے، کہ اسلام ہی کا وہ واحد نظام ہے جس نے انسانیت کی سنوارا اور اس کا حق دینے اور دلانے میں نرالا اور کامیاب اصول پیش کیا ہے۔

تمت

ڈی۔ یف فیاض محی الدین بھٹکلی۔

بقیہ صفحہ ۴۴ نے اپنی سرحدوں پر چند ایسے آلات نصب کر رکھے تھے جو دشمن کے آنے کی اطلاع دیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے ان تمام علمی وعملی کارناموں کے پیش نظر میرا یہ کہنا بالکل حق بجانب ہوگا کہ آج دنیا کے اندر جو سائنسی اور دیگر ترقیاں ہورہی ہیں مسلمانوں نے ان کو آج سے کئی سو سال پیشتر منظر عام پر لایا۔ اگر اس زمانے میں مسلمانوں کی سلطنت زوال پذیر نہ ہوتی تو یقیناً ان تمام ترقیوں کا سہرا مسلمانوں ہی کے سر ہوتا۔

ترجمہ مکتوب قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین حضرت مولانا محی الدین حافظ قرآن حاجی حرمین سید شاہ عبد اللطیف حسینی قادری نقوی رحمۃ اللہ علیہ المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہ

یہ مکتوب مولوی عبد الرحیم صاحب ضیا کے نام ۱۱ شوال المکرم سنہ ۱۲۸۷ھ میں لکھا گیا

از مولانا محمد طیب الدین صاحب
اشرفی مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

بعد سلام مسنون کے معلوم ہو کہ مرقومہ التفات نامہ مجیب[25] رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۷ھ کو پہنچا خیریت کی خوشخبری اور اس میں شامل مضمون پر آگاہی ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک (خدا کا شکر ہے اس پر) صالحین کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے سعادت آثار آیۂ کریمہ انعمت علیھم وانعم اللہ علیھم کی تفسیر تفسیر حقانی اور عزیزی وغیرہما میں ملاحظہ فرمائیں معلوم ہو جائیگا کہ صالح کون ہے اور اس کی صحبت کی برکت کیا ہے۔ اسی جگہ ہے کہ خیر التابعین حضرت اویس قرنی صحابی کے ادنیٰ مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔ حاصل یہ کہ اس غربت اسلام کے زمانے میں کسی اہل اللہ کی صحبت کو غنیمت جاننا چاہئے۔ بعد ازیں معلوم ہو کہ راہِ خدا میں سلوک کے اندر سالک کو دو راستے سامنے آتے ہیں، ایک راہِ سلوک دوئم راہِ جذب۔

لیکن راہِ سلوک اور مجاہدہ، جواہر السلوک کے فائدہ سی[32] و دوئم میں ملاحظہ فرمائیے کہ طالب کو لیقظہ اور توبہ اور اوامر کے بجالانے و نواہی سے بچنے اور رذائل سے خالی ہونے اور فضائل اخلاق سے آراستہ ہونے کے بعد بزرگان طریقۂ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ اور مجددیہ کے اذکار و اشغال کے نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کا حصول ہے جسکو سکینہ اور نور سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی میں ملائکہ سے مشابہت اور جبروت (یعنی اسماء الٰہیہ) پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اور راہِ جذب، جواہر السلوک کے دسویں فائدے میں تلاش کیجئے جس کو سفر اول، سفر دوئم، سفر سوئم، سفر چہارم کہتے ہیں اسفارِ عروجی کے اندر لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اور اسفار نزولی میں محمد رسول اللہ کی حقیقت کھلتی ہے۔

سفرِ اول میں اولیاء کی ولایت کی انتہا ہے اور سفر دوئم میں ولایت انبیاء کی انتہا اور سفر سوئم میں ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہا ہے۔ ولایت اولیاء کے اندر ابتداء فناء افعالی کے اندر جذب ہے جسکو توحید افعالی کہتے ہیں۔ اس کے بعد فناءِ صفاتی میں جسکو توحید صفاتی کہتے ہیں۔ اس کے بعد فناءِ ذاتی ہے جسکو توحید ذاتی کہتے ہیں اور ان توحیدوں کو وحدت در کثرت اور احدیت در کثرت بھی کہتے ہیں (یعنی وحدت میں کثرت اور احدیت میں کثرت) اور اس ولایت اولیاء میں یا تو حق کا شہود صورت کے آئینے میں یا معنیٰ (حقیقت) آئینے میں یا صورت و معنیٰ ہر دونوں کے اندر ہوتا ہے، اس کو توحید وجودی کہتے ہیں، یا شہود حق صورت و معنیٰ کے ماوراء ہے اور اس

توحید شہودی کہتے ہیں۔ حق کے سوا کوئی مشہود نہیں ہے اور یہ ملائکۂ مہیمہ کا مرتبہ ہے جو اپنے اور غیر کے ساتھ مشغول نہیں ہوتے ہیں۔ اور ان تمام مراتب جذب کو قرب نوافل کہتے ہیں۔

اور سفر چہارم نزولی کے اندر عبد کی بقاءِ ذاتی، بقاءِ صفاتی، بقاءِ افعالی ہے جسکو بقا باللہ اور کثرت در وحدت و کثرت در احدیت کہتے ہیں اور ان تمام مراتب بقاء کو قرب فرائض کہتے ہیں۔ اور اس جگہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ولایت اولیاء اجمال ہے، اور ولایت انبیاء و ولایت محمدی علیہم الصلوٰۃ والسلام ولایت اولیاء کی تفصیل ہے۔ ولایت اولیاء کے اندر وحدت کے چہرے سے کثرت کا حجاب دور ہوتا ہے اور ولایت انبیاء کے اندر کثرت علمیہ باطنیہ (یعنی اسماء الٰہیہ کا قرب) کے چہروں سے وحدت کا حجاب دور ہوتا ہے اور ولایت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر تقئید بالضدین ظاہر اور باطن کا زوال احدیت عین الجمع میں حصول کے ساتھ ہوتا ہے۔ نیز جاننا چاہیئے کہ لوگوں کی استعداد کے اختلاف کی وجہ سے ان کے سلوک کے اندر بھی اختلاف ہے۔ اس مقدمہ کی بھی مختصر تفصیل جواہر السلوک کے فائدہ ۲۴ بیس و چبیس ۲۵ میں پا سکتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ علم منہ سے حاصل کرو، نہ کہ کتابوں اور دفتروں سے۔ معاملہ قلم سے نہیں سامنے رہنے سے واضح ہوگا۔ اور ساتھ ساتھ اس کے فقیر اکیاسی سال کی سرحد میں پہنچ چکا ہے۔ اور گور کے کنارے بیٹھا ہے اور اشغال کی کثرت اس کے علاوہ ہے۔ دل میں باتیں تو بہت سی ہیں۔ لیکن قلم اس کی ترجمانی کرنے سے قاصر ہے۔

اللہ تعالےٰ کی ذات سے امید ہے کہ ہمیں اور مہیں، اور تمام مسلمانوں کو روشن شریعت پر استقامت کی توفیق عنایت فرمائے (آمین) اور دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے فنا ہونے والی اور خدا کی دھتکاری ہوی سے فریب نہ دے۔ بے شک وہی قریب اور دعا قبول کرنے والا ہر چیز پر قادر ہے۔ اس اطراف کے تمام مخدومین احباب کو سلام پہنچائیں۔

نعت شریف

از قدوۃ السالکین العارفین شیخ المشائخ حضرت مولانا

رکن الدین سیدہ شاہ ابو الحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ

عطیہ حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری دامت برکاتہم



ہوا ہے شوق مجھ دل میں تمہارا یا رسول اللہ — بیاں دیکھو مزمل میں تمہارا یا رسول اللہ

تعلق شہر سے توڑوں مدینہ کی طرف دوڑوں — نہ ہرگز پاس اب چھوڑوں تمہارا یا رسول اللہ

ہوئے مجھ دل پہ خوشحالی چڑھی تن من اُپر لالی — جو دیکھوں خوش مکاں عالی تمہارا یا رسول اللہ

مبارک تن کے رکن چاروں مبارک قبر پر واروں — صحن پلکوں سے آ جھاڑوں تمہارا یا رسول اللہ

جُدائی سے مجھے ہے غم کروں آنکھوں کو اب پُرنم — پکاروں نام سے ہر دم تمہارا یا رسول اللہ

مُعطل چھوڑ یہہ قالب چلی ہے رُوح ہو طالب — ہوا جب شوق آ غالب تمہارا یا رسول اللہ

میرا یہ جاں نہ تھمتا ہے نہ دلمیں شوق سمتا ہے — ہمیشہ پاس منگتا ہے تمہارا یا رسول اللہ

اوجالا مجھ دلے اندر گو یا ہے چودواں چندر — کروں جب خیال دل اندر تمہارا یا رسول اللہ

سحر کے وقت اٹھوں جاگوں خیال غیر سے بھاگوں — دیکھوں چہرہ نظرا کوں تمہارا یا رسول اللہ

مجھے ہے عید اب جگ میں چھپاؤں بھید کب لگ ہیں — تو پہنچا عشق رگ رگ میں تمہارا یا رسول اللہ

ترک دیے پالکی ہودا کروں اب دین کا سودا — دیکھوں یکمرتبہ روضہ تمہارا یا رسول اللہ

شکر اب بہوت کرتا ہوں دُرودواں بہوت پڑتا ہوں — تصوّر دل میں کرتا ہوں تمہارا یا رسول اللہ

نبی مجھ خواب میں آؤ دلوں کی آس پہنچاؤ — لقائے پاک دکھلاؤ تمہارا یا رسول اللہ

تماشا باغ دل لالہ سبھی باتوں سے متوالا — پھروں ہو مست متوالا تمہارا یا رسول اللہ

حشر کا وقت مجھ آیا یہ تکیہ چھوڑ رے سایا — رکھو مجھ سر اُپر سایا تمہارا یا رسول اللہ

یہ سب عشق بکتا ہوں طلب رحمت کی رکھتا ہوں

بیان شوق لکھتا ہوں تمہارا یا رسول اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمة للعالمین

من مولوی کلیم اللہ پانڈیچری
متعلم زمرۂ سابعہ دار العلوم لطیفیہ

الحمد للہ الذی لا یکشف الشدائد الا ہو۔ ولا یدفع المکائد الا ہو وما مراد العاشقین الا ہو وما مطلوب الواصلین فی الکونین الا ہو۔ العباد کلہم ضعفاء لا غنی الا ہو۔ لا ناصر ولا حافظ الا ہو۔ موسیٰ علی الطور حین ناجاہ اللہ قال لا الٰہ الا ہو۔ یوسف فی قعر البئر حین ناجاہ۔ قال لا الٰہ الا ہو۔ ابراہیم فی النار لحریق حین ناجاہ قال لا الٰہ الا ہو۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وھو الحی لا الٰہ الا ہو۔ واشہد ان سیدنا ومولانا محمد عبدہٗ ورسولہ۔

اما بعد ایہا الخلان۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی کلامہ القدیم مبشرا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم "وما ارسلنٰک الا رحمة للعالمین" وفسر فی تفسیر روح البیان" وما ارسلنٰک" یا محمد بما ذکر وامثالہ من الشرائع والاحکام وغیر ذٰلک من الامور التی ھی مناط السعادة فی الدارین فی حال من الاحوال" الا" حال کونک" رحمة للعالمین" فان ما بعث بہ سبب لسعادة الدارین ومنشأ لانتظام مصالحہم فی النشاتین، ومن اعرض عنہ واستکبر فانما وقع فی المحنة من قبل نفسہ فلا یرحم وکیف کان رحمة للعالمین، وقد جاء بالسیف واستباحة الاموال قال بعضہم جاء رحمة للکفار ایضا من حیث ان عقوبتہم اخرت بسببہ وامنوا بہ عذاب الاستیصال والخسف والمسخ ورد فی الخبر انہ علیہ السلام قال لجبریل ان اللہ یقول وما ارسلنک الی آخرہ فہل صابک من ہذہ الرحمة قال نعم انی کنت اخشی عاقبة الامر فامنت بک الثناء واثنی اللہ علی بقولہ ذی قوة عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین۔

قال الکاشفی در کشف الاسرار آوردہ کہ رحمت وی بود کہ امت را در حجرہ طاہرہ ہمچنیں در زروۂ عرش اعلیٰ ومقام قاب قوسین او ادنی یاد فرمود کہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین فردا در مقام محمود بساط شفاعت گستردہ گوید امتی یعنی۔ وذکر فی کشف الاسرار ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان رحمة لانہ ما سہی امتہ فی ای مکان کان ان کان المکان مکة معظمة ام مدینة طیبة او کان مسجد امکرما ام حجرة طاہرة وہکذا مقام العرش ومقام فی قولہ تعالیٰ وقاب قوسین او ادنی۔ وذکر امتہ فی کل مکان وفی کل وقت وذکر امتہ فی المعراج عند حضرت الالہ، السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ویقول فی یوم القیامة امتی امتی شفیعًا لامتہ۔

شعر

عاصیانِ پُر گنہ در دامن آخر زماں

معناه يكون الامة العاصى فى ظل نبى آخر الزمان

دست در دامانِ تو دارند و جاں در آستیں

اے وتتعلق يده من ذيله. والروح فى كفه ومواده يفدى الروح والقلب على من كان امته العاصى فى ظله

نا امید از حضرت با نصرتت نتواں شدن

اى لا يقنت من نصرتك

چوں توی ہر دو عالم رحمۃ للعالمیں

اے لانك رحمة للعالمين ومراده لا يقنت امراء مسلم من نصرته لانه ليس احد رحمة للعالمين الا اياه قال بعض الكبائر وما ارسلنك الا رحمة مطلقة تامة كاملة عاملة شاملة جامعة محيطة بجميع المقيلات من الرحمة الغيبية و الشهادة العلمية والعينية والوجودية و الشهودية والسابقة واللاحقة وغير ذلك للعالمين جمع عوالم ذى العقول وغيرهم من عالم الارواح و الاجسام ومن كان رحمة للعالمين لزمان يكون افضل من كل العالمين وعبارة ضمير الخطاب فى قوله وما ارسلنك خطاب النبى صلى الله عليه وسلم فقط. واشارة خطاب لكل واحد من ورثة الذين هم على مشربه الى يوم القيامة بحسب كونه مظهر الارث قال بعض الكبا انما كان رحمة للعالمين بسبب اتصافه بالخلق العظيم ورعايته المراتب كلها فى محالها كالملك والملكوت

والطبيعة والنفس والروح والسر وفى التأويلات النجمية فى سورة مريم بين قوله ورحمة منا فى حق عيسى وبين قوله حق نبينا عليه السلام وما ارسلنك الا رحمة للعالمين لمن آمن به واتبع ما جاء به الى ان يبعث نبينا عليه السلام ثم انقطعت الرحمة عن العالمين ابدا. اما فى الدنيا فبان لا ينسخ دينه واما فى الاخرة فبأن يكون الخلق محتاجين الى شفاعته حتى ابراهيم عليه السلام فافهم جدا.

وكان للسيد الكونين اوصاف كثيرة ومنها الرحمة ان الرحمة ٢ يطلق على من عذب او ظلم ولد طاقة ان يرده او يغير ومعه ولكن يصبر. والرحمة يطلق على من صبر على ظلمه او عذابه ودعا له هكذا النبى صلى الله عليه وسلم رحيما على الخلق كما قال الله تبارك وتعالى "لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف الرحيم. مثلا لما كثر ايذاء كفار قريش وسخريتهم وابلاءهم وانكارهم فاراد النبى صلى الله عليه وسلم ان يذهب الى الطائف ويدعو الناس الى الاسلام فلاقى اولا رؤساء تلك القرية وهم كانوا ثلث اخوة واسماءهم عبد ياليل. مسعود. حبيب. وكانوا من قبيل عمير دعاهم النبى صلى الله عليه وسلم الى الاسلام اولا بمقتضى الناس على دين ملوكهم فان اسلم السيد فيسلم القوم. فاجاب كل واحد منهم سخرية بالنبى صلى الله عليه وسلم اليس احد غيرك ان يبعثه الله رسولا وقال الاخر انى لا اتكلمك لانك ان كنت صادقا

٢ يطلق على معان هذا الصبر ايضا اشدها ان الصبر يطلق

في رسالتك فلست اهلا لان اتكلم منك لان مرتبة النبي اعلى مني وان كنت كاذبا فلست اهلا ان تتكلم مني لاني رئيس فمرتبتي اعلى منك. فرجع النبي صلى الله عليه وسلم عنهم ولكن الشياطين ما تركوا النبي صلى الله عليه وسلم على هذ الحال ودعوا الناس وامروا ان يسخروه ويسبوه ويرموه بالحجر ففعلوا وجرح النبي صلى الله عليه وسلم وسال الدم من جسده حتى ملاء نعلاه دما فغشي النبي صلى الله عليه وسلم بسببه ثم لقيه جبرئيل عليه السلام وقال عنده يا محمد ائذني ان اهلكهم بين هذين الجبلين فقال النبي صلى الله عليه وسلم يا جبرئيل الا تعلم ان الناس قبلي قد هلكوا بسبب ايذاء انبيائهم وبدعاء انبيائهم عليهم واخاف ان يكون امتي هذا اني خاتم النبيين فان دعوت عليهم فيهلكون واتباعهم معا ومرة اخرى لما فتح مكة جاء الكفار طالبين المنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان منهم الوحشي قاتل سيد الشهداء وعم النبي صلى الله عليه وسلم فمن عليه وعليهم ومرة اخرى دعت اليهودية النبي صلى الله عليه وسلم فقبل النبي صلى الله عليه وسلم دعوتها. فقدمنا اللحم المسموم الى النبي صلى الله عليه وسلم فاخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم اللحم ووضع في فمه ومضغ فعرف النبي صلى الله عليه وسلم بالوحي انه مسموم فاخرج اللحم من فمه فطلب رسول الله صلى الله عليه وسلم اليهودية وسائل عنه فقبلت اليهودية جرمها ولكن عافها النبي صلى الله عليه وسلم ولم يعاقبها.

ومرة اخرى نام النبي صلى الله عليه وسلم في مرجع من غزوة واحد تحت شجرة وسيفه معلق على الشجرة وكانت الوقت وقت الظهر فاتى بدوى واخذ سيفه فاستيقظ النبي صلى الله عليه وسلم وسائل النبي صلى الله عليه وسلم يا محمد من يعصمك مني الآن فاجاب له النبي صلى الله عليه وسلم الله وكان في قوله "الله" اثر عظيم واضطرب جسم ذلك الكافر وسقط السيف من يده فاخذ السيف النبي صلى الله عليه وسلم وسائل منه من يعصمك مني فقال ليس احد يعصمني منك يا محمد فاعصمني وعلمني الاسلام فعلم النبي صلى الله عليه وسلم احكام الاسلام فاسلم الرجل وكان مؤمنا.

ايها الخلان هكذا يصل لنا واقعة النبي صلى الله عليه وسلم وسيرته في كتب كثيرة.

والسلام لي ولكم اجمعين.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اُن سات سوالوں کا جواب ہے جو حضرت قطب ویلور کے خلیفہ مولانا حفظی شتنولی

جو بلاشبہ ہزار ہا احادیث کے حافظ تھے آپ کے مکہ معظمہ کے دوران قیام ۱۲۶۸ھ میں انہوں نے آپ سے کیا تھا۔ اس کا ترجمہ ناظرین اللطیف کیلئے پیش کیا جا رہا ہے۔

(مترجم مولانا طیب الدین اشرفی مونگیری)

سوالات:

۱۔ **نسبت** جو صوفیہ کی اصطلاح میں بولی جاتی ہے اس کے کیا معنی ہیں، اور **اعیان ثابتہ**[۲] کے کیا معنی ہیں۔ **نقطۂ سویدا**[۳]۔ **ہویۃ**[۴] **مثالِ مطلق** اور **لطیفۂ ربانی**[۵] کیا ہے۔ اور مولانا جلال الدین رومیؒ[۶] کے اس بیت کا کیا مطلب ہے؀

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت | ماہنوز اندر خسم یک کوچہ ایم

ہمارے اوپر اس کے جواب کی تفصیل فرما کر اسکے چہرے پر پڑے ہوئے پردہ کو دور فرمائیں۔ آپ کیلئے ملک وہاب کی جانب سے کثیر اجر ہے۔

جوابات

جواب ۱

سوال اول کا یہ ہے کہ نسبت لغت عرب میں طرفین کے درمیان علاقہ کو کہتے ہیں" اور اصطلاح صوفیہ ایسا علاقہ ہے جو خالق جل مجدہٗ اور مخلوق کے درمیان واقع ہے، اور متکلمین اسکی تعبیر صانع اور مصنوع سے کرتے ہیں، جیسے کلال (کمہار) کی نسبت کوزے کے ساتھ ہے اور ظاہر کتاب وسنت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور صوفیہ اگر وجودیہ ہیں، تو اس نسبت کی تعبیر وحدت کا ظہور کثرت میں کرتے ہونے سے کرتے ہیں۔ جیسے پانی کا ظہور موج اور حباب کی صورت میں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کثرت اعتباری وحدت حقیقی ما مطلق کے مزاحم نہیں ہے۔ اس تعبیر کا حاصل یہ ہے کہ وہ حق وخلق میں عینیت ثابت کرتے ہیں اور اس معنی کو تاویل وتمثیل سے مشروع ومعقول قرار دیتے ہیں۔ اور اگر شہودیہ ہیں تو اصل کی نسبت ظل کے ساتھ کرتے ہیں جیسے کہ پھیلے ہوئے ضوء شمس کی نسبت شمس کے ساتھ ہے۔ ظل اس جگہ تجلی کے معنی میں ہے یعنی مرتبۂ ثانیہ میں شیٔ کا ظہور اور یہ کثرت ظلی بھی وحدتِ حقیقی شمس کے لئے مُخل نہیں ہوسکتی ہے۔ بس اتنا ہی فرق تعبیر اول اور ثانی کے درمیان ہے کہ ہر چند کہ ظل کو حقیقی دیگر کہیں، لیکن اس اصل کا غیر نہیں ہے۔ کیونکہ اسی اصل نے مرتبۂ ثانی میں ظہور فرما کر اپنے کو ظل ظاہر فرمایا ہے۔ لیکن حمل مواطاۃ اس جگہ ایک دوسرے پر صحیح نہیں ہے اور امواج و دریا کی صورت میں صحیح ہے، پس شہودیہ اسی تعبیر سے من وجہٍ غیریت اس طرح ثابت کرتے ہیں، کہ توحید وجود حقیقی میں کوئی خلل واقع نہ ہوا اور اس معنی کو کتاب و سنت سے آسانی سے استنباط کر سکتے ہیں۔ پہلے طریقے سے نسبت کے معنی کی صورت صوفیائے وجود کی کتابوں سے دریافت کرنا چاہیئے۔ اور شہودیہ کے

طریقے سے یہ ہے کہ ان کے نزدیک حقائقِ ممکنات مرتبہ علم الٰہی میں اعدام اور وجود سے مرکب ہیں۔ اس معنی میں کہ اعدام کی حیثیت اضافی ہے یعنی عدم العلم جسکی تعبیر جہل سے کی گئی ہے اور عدم القدرت جس کی تعبیر عجز سے کی گئی ہے اور ان کے علاوہ کہ مفہوم متمائزہ رکھتے ہیں، مرتبہ علم الٰہی میں ظاہر ہیں اور آئینہ صفات حقیقیہ جو ان اعدام کے مقابل میں کئے گئے ہیں ان صفات کے انوار ان مرایا میں منعکس ہوتے ہیں اور یہی اخلاط تعیناتِ عالم کے مبادی ہوئے پس ان کے نزدیک اعیان ثابتہ علم الٰہی میں اعدام اضافیہ اور ظلال صفات حقیقیہ سے مرکب ہیں، اور خارج ظلی کے آئینے میں جو خارج حقیقی کے ظل میں آثارِ خارجیہ کے مصدر ہیں۔" پس اعیان خارجیہ ان کے نزدیک وجودِ ظلی سے موجود ہیں، نہ وجودِ حقیقی سے، اور وہ خارج ظلی میں متحقق ہیں، نہ خارجِ حقیقی میں، جو وجودِ حقیقی کے تحقق کا موطن ہے اور عالم کے اندر جو کچھ کہ وجود اور اس کے توابع سے موجود ہیں، وہ ظلاً وانعکاساً حضرت حق جل شانہٗ کے وجود سے مستفاد ہیں۔ پس وجودِ حقیقی کے ساتھ خارجِ حقیقی میں سوائے اللہ کے کوئی موجود نہیں ہے اور یہی توحید ہے۔ اور جبکہ عدم منشا و شر اور نقص ہے اور وجود خیر و کمال کا مبداء ہے اور عالم عدم و وجود سے مرکب ہے بلکہ عدم، عالم کا ذاتی ہے اور وجود عاریتہً ہے اور وجود حق بسیط اور خیر و حسن محض ہے۔ عالم کا عین نہیں ہو سکتا۔ تو یقینی طور پر عالم حسن و قبح کا مجموعہ ہوگا۔ لیکن وجوہ حسن یہ کل حضرت وجود سے مستفاد ہے اور قبح کی کل جہتیں عدم کی جانب سے حاصل ہیں۔ پس جس وقت کہ سالک اپنی قوت و استعداد کے اور مشائخ کے جذب کے ذریعے جو جذبۂ الٰہیہ کا ظل ہے سیر علمی میں حضیض امکان سے اوج وجوب میں اس مسافت کے قطع کرنے میں جو حجاب ظلمانی و نورانی کے ختم ہونے سے مراد ہے، جو حدیث کے موافق حق اور خلق کے درمیان واقع ہے، طے کرتا ہے۔ اس مقابل نسبت کے فیوض و برکات جو ظاہر و مظہر کے درمیان متحقق ہے، ان حجابوں کے دور ہونے سے جو حقیقت میں شمس حقیقی کے انوار تعین سالک کے آئینے میں ظاہر ہونے سے مانع ہوتے ہیں پورے طور پہ ظاہر ہو جاتے ہیں اور ان انوار کے غلبہ سے آئینہ مذکور ڈھک جاتا ہے۔ اس حالت کو نسبت فنائی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور فنا کے بعد لازم ہے کہ وجود موہوب جناب قدس سے عطا کیا جائے تاکہ سالک اس وجود سے کارخانۂ بشریت اور احکام شریعت کو قائم کر سکے۔ اس نسبت کو بقائی کہتے ہیں۔ پس اگر سالک حجابات ظلمانی اور نورانی کو پورے طور سے طے کرلے اور صفات و شیونات کی تجلی سے گذر کر ذات بحت کی تجلی سے مشرف ہو جائے، اور نبوت کا زمانہ باقی ہے تو نبی ہو جائے گا اور درجۂ عصمت میں کہ اس سے مراد شر کے نہ صادر ہونے کا احتمال ہے، پہنچا ہے۔ ورنہ امکان سے وجوب کی جانب مسافت طے کرنے کی مقدار میں عدم سے جو شر محض ہے بہت دور ہو جاتا ہے اور وجودِ حق سے جو خیر محض ہے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اور جب عدم کے ظلمات انوارِ وجود کے غلبہ سے مضمحل ہو جاتے ہیں اکثر مصدر خیر ہو جاتا ہے۔ لیکن کبھی وقوعِ شر کا بھی احتمال ہوتا ہے، اس وقت ولی نبی کا نائب ہو جاتا ہے اور اپنے بنی نوع کی تربیت و اصلاح کرتا ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔"

صوفیہ شہودیہ رحمہم اللہ کے مسلک پر مختصر طریقے پر اس قوم کی اصطلاح میں ظہور نسبت کے معنی یہی ہیں غور کرو۔ یہ تمام مکاتیب مولانا مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب ثالث سے ہے، اور وحدت وجود اور وحدت شہود کے درمیان توفیق اور اس کے دیگر متعلقات امام ربانی کے چوالیسواں مکتوب کے اندر جو جلد ثانی میں ہے۔ اور انہیں کے

دوسرے مکتوبوں میں اور مکتوب مدنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس وقت اس پر زیادتی کی گنجائش نہیں ہے۔

جواب ۲ سوال ثانی کا یہ ہے کہ اعیان ثابتہ وہ اعیان حقائق ممکنات اور علم حق تعالیٰ میں، ایسے ہی اصطلاحات کاشی میں ہے اور مقدمۂ قیصری میں ہے کہ اعیان ثابتہ کے اندر دو اعتبار ہیں۔ ایک اعتبار یہ ہے کہ اعیان ثابتہ اعیان خارجیہ کے حقائق ہیں، پس وہ اعتبار اول کے لحاظ جیسے ابدان ارواح کیلئے ہے اور اعتبار ثانی کے لحاظ سے جیسے کہ ارواح ابدان کے لئے ہے۔ اور اعیان خارجیہ اس کے آثار و احکام ہیں یعنی اعیان ثابتہ کے عکوس اور ظلال ہیں۔ اس لئے کہ اعیان ثابتہ نے وجود کی بُو بالکل نہیں سُونگھی ہے۔ یعنی وجود خارجی کی "جیسا کہ ہمارے افعال اور اقوال ہمارے معلومات متخیلہ کے ظل ہیں، اور نیز جسطرح افعال و اقوال کے ظہور سے معلومات متخیلہ زوال قبول نہیں کرتے ہیں۔ ایسے ہی اعیان خارجیہ کے ظہور سے اعیان ثابتہ زوال پذیر نہیں ہوتے ہیں۔ نیز اگر اعیان خارجیہ بالذات علم الٰہی سے خارج ہوجائے اور زوال پذیر ہوجائے تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جاہل ہوجائے۔ نعوذ باللہ منہا۔

جواب ۳ سوال ثالث کا یہ ہے کہ نقطۂ سویداء سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے کہ سالک کو عروج کے وقت نقطۂ سیاہ ہی کی طرح مشہود ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ربانی اپنے عروج کے بیان میں فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ایک ایسا نور جو تمام اشیاء کو محیط ہے ظاہر ہوا اور میں نے اسکو حق جل وعلا جانا۔ اور وہ نور سیاہ رنگ رکھتا، عرض کیا تو فرمایا کہ حق جل سلطانہ مشہود ہے۔ لیکن پردۂ نور میں، نیز فرمایا کہ یہ انبساط جو اس کے نور کے اندر معلوم ہوتا ہے علم کے اندر ہے۔ ذات جل شانہٗ کے اشیاء متعددہ سے متعلق ہونے کے واسطے سے جو بلندی و پستی میں واقع ہے پھیلا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے نفی انبساط کرنا چاہئے۔ اس کے بعد وہ پھیلا ہوا نور سیاہ انقباض کی جانب رُخ کیا اور تنگ ہونے لگا یہاں تک کہ نقطہ کی صورت میں ہوگیا۔ انتہیٰ۔ اور بعض اوقات میں نقطۂ سویداء سے مراد سویداء دل لیتے ہیں۔ جو دل پر غیر محسوس اور غیر مجسم ہوتا ہے اور آدمی کے گناہ میں مبتلا ہونے کے بعد پڑتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب ۴ سوال رابع کا یہ ہے کہ ہُویت سے مراد وجود بُحت کا مرتبہ ہے۔ قیصری نے حقیقت وجود کے مقدمہ میں فرمایا کہ جب بشرط لاشئ لیا جائے تو قوم کے نزدیک اس کو مرتبۂ احدیت سے موسوم کرتے ہیں جس میں جملہ اسماء اور صفات گم ہیں اور جمع الجمع حقیقۃ الحقائق اور عماء بھی نام رکھتے ہیں۔ اور جب بشرط شئ لیا جائے تو تمام اشیاء اس کے کلی جزئی جو اس کے لئے لازم ہیں جن کا نام اسماء اور صفات رکھتے ہیں یہ مرتبۂ الٰہیہ ہے جسے قوم کے نزدیک واحدیت اور مقام الجمع سے موسوم کرتے ہیں اور یہی ایصال کے اعتبار سے، ان اسماء کے لئے مظاہر ہے جو اعیان اور حقائق میں ایسے کمالات تک جو خارج میں اسکی استعداد کے مناسب ہے، مرتبۂ ربوبیت سے موسوم کرتے ہیں"۔ اور جبکہ لابشرط شئ لیا جائے تو اسے ہویۃ ساریۃ سے موسوم کرتے ہیں، جو تمام موجودات میں ساری ہے" اور اصطلاحات کاشی میں ہے کہ ہُویۃ ذات کا اعتبار غیبۃ اور فقد کی مناسبت سے ہے۔

جواب ۵ سوال خامس کا یہ ہے کہ مثال مطلق نفس کل کے قوت خیالیہ کو کہتے ہیں اور مثال مقید ہر موجود کے قوۃ خیالیہ کو کہتے ہیں، اور مقدمہ قیصری میں ہے کہ حقائق جو ہر یہ عوالم روحانیہ عقلیہ خیالیہ میں، سے ہر ایک کے اندر موجود ہیں اور ان کے لئے اُن اُن عالموں کے اعتبار سے صورتیں

ہیں۔ اور جب یہ چیز ثابت ہو گئی کہ قوۃ خیالیہ جو نفس کلیہ کے لئے پائی جاتی ہے جو ان تمام کو محیط ہے جس کو ان کے علاوہ قوی خیالیات نے گھیر رکھا ہے اس عالم کا محل اور مظہر ہے اور اس عالم کا نام عالم مثال اس وجہ سے رکھا جاتا ہے کہ وہ عالم ان تمام صورتوں کو شامل ہے جو عالم جسمانی میں پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ پہلی مثال صوری ہے۔ اس کیلئے جو اعیان اور حقائق کی صورتوں سے حضرت الٰہی میں موجود ہیں اور اس کا نام خیال منفصل بھی رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ غیر مادی ہے اور خیال متصل سے مشابہ ہے۔ پس معانی میں سے کوئی معنی اور ارواح میں سے کوئی روح ایسی نہیں ہے جس کے لئے صورۃ مثالی نہ ہو، جو اس کے کمالات کے مطابق اور مناسب ہے۔ اس لئے کہ ان سے ہر ایک کے لئے اسم ظاہر سے ایک حصہ ہے۔ نیز اسی مقدمہ میں ہے کہ یہ صور محسوسہ انہیں صور مثالیہ کی ظلال ہیں، اور نیز اسی میں ہے کہ مثالات مقیدہ جو وہ خیالات ہیں اسی سے ایک نموذج (نمونہ) اور اس کے ظل سے ایک ظل ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے عالم روحانی کے وجود پر دلیل کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اسی لئے ارباب کشف اس کو اس عالم سے متصل قرار دیا ہے، جس سے وہ روشن ہے جیسے نالیاں اور نہریں جو سمندر سے متصل ہیں اور روشندان اور کھڑکیاں جیکے ذریعہ سے گھر میں روشنی پہنچ رہی ہے اور ہر ایک موجودات سے جو عالم ملک کے اندر ہیں مثال مقید ہیں جیسے کہ خیال عالم انسانی میں، خواہ وہ فلک یا ستارے یا عنصر یا معدن یا نبات یا حیوان ہوں، اس لئے ان میں سے ہر ایک کے لئے روح اور قوۃ روحانیہ ہے اور اس عالم کو عالم مثال سے ایک حصہ ہے، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو عوالم کے اندر ایک دوسرے سے مناسبت، اور مطابقت نہ ہوتی"۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کا ظہور جمادات میں اس طرح نہیں ہے جیسے حیوانات کے اندر اس کا ظہور ہے۔

[illegible]

تسبیح خواں ہے لیکن تم لوگ ان کی تسبیحوں کو نہیں سمجھتے ہو' اور تحقیق کہ خبر صحیح میں آیا ہے جس کی تائید حیوانات کے مشاہدات سے ہوتی ہے کہ بہت سے امور ایسے ہیں جس کا مشاہدہ بنی آدم نہیں کر سکتے ہیں مگر ارباب کشف اس کا مشاہدہ کرتے ہیں جو شمار سے باہر ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ شہود عالم مثال مطلق کے اندر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالم مثال مقید میں ہو۔ اللہ ہی اسکو زیادہ جاننے والا ہے اور مثال کی تفصیل کا باقی حوالہ اور اس کے باقی اقسام کا حوالہ بڑی بڑی کتابوں میں ہے، اسکی تفصیل کے لئے وقت موافقت و معاونت نہیں کرتا ہے۔

جواب ۶ سوال سادس کا یہ ہے کہ لطیفہ ربانیہ سے مراد لطیفہ انسانیہ ہے اور اصطلاحات کاشی میں ہے کہ لطیفہ ہر وہ بلند اشارہ اور باریک معنی ہے جو فہم میں ظاہر ہوتا ہے، وہ ایسی حقیقت ہے جس کے اندر شک و شبہ کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اور لطیفہ انسانیہ وہ نفس ناطقہ ہے جس کو صوفیہ کے نزدیک قلب کہتے ہیں اور حقیقت میں وہ روح کو اتارتا ہے ایک ایسے مرتبے کی جانب جو نفس سے قریب ہے جس کو من وجہ نفس سے ایک مناسبت ہے۔ اول کا نام صدر اور ثانی کا نام فؤاد رکھتے ہیں۔ انتہیٰ اور یہ نفس ناطقہ مادہ سے خارج ایک جوہر ہے اور بالذات اس کو افعال میں دخل ہے۔ اور یہی ہے جس کا نام امارہ، لوامہ، ملہمہ، مطمئنہ، راضیہ، مرضیہ، کاملہ رکھتے ہیں پس وہ جس صفت سے متصف ہوتا ہے اس انصاف کے اعتبار سے اس کا نام رکھتے ہیں۔ لیکن نفس شہوانیہ وہ ایک لطیف بخار ہے جو حیات اور حس اور حرکت ارادیہ کا حامل ہے، اور اسی کا نام حکماء روح حیوانی رکھتے ہیں [illegible]

جوہر ہے، جو بدن پر چمکتا ہے۔ پس اگر بدن کے ظاہر اور باطن حصے پر چمکے تو یقظہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر صرف بدن کے باطن حصے پر چمکے تو اس سے نوم حاصل ہوتا ہے اور اگر کلی طور پر اس سے علیحدہ ہو جائے تو اس سے موت آجاتی ہے۔ پاک ہے اسکی ذات جو صانع عالم اور حکیم ہے۔ ایسے ہی کتاب سیر اور سلوک الی ملک الملوک میں ہے۔

جواب سوال سابع کا یہ ہے کہ بلا شبہ سے مراد مقامات سبعہ ہے جو اہل اللہ کے نزدیک مشہور ہیں۔ ان میں کا اول مقام ظلمات الاغیار جسے نفس امارہ کہتے ہیں، اور ثانی مقام الانوار جس میں نفس کو لوامہ کہتے ہیں۔ ثالث مقام الاسرار جس میں نفس کو ملہمہ کہتے ہیں، رابع مقام الکمال، جس منزل میں نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ خامس مقام الوصال جس میں نفس کو راضیہ کہتے ہیں۔ سادس مقام تجلیات افعال جس منزل میں نفس کو مرضیہ کہتے ہیں۔

سابع مقام تجلیات الصفات والاسماء، جس منزل میں نفس کو کاملہ کہتے ہیں اور شیخ کا کلام حضرت عطار کے علو شان کی جانب مشیر ہے اور اپنے نفس کو تواضع وانکسار سے متصف کرتے ہیں۔ اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

۲ رجادی الاول ۱۲۶۲ھ مکہ معظمہ میں لکھا گیا

(مترجم) محمد طیب الدین اشرفی مونگیری
مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت
قطبؒ ویلور (علاقہ مدراس)



فضائلِ حج

از
عبدالقادر پاشا اکرمی
بھٹکلی
مدرس ابتدائے
دوم

حج اسلام کی عبادتوں میں سے ایک عظیم الشان عبادت ہے۔ حج کے معنی لغت میں قصد و ارادہ کے ہیں۔ شرع شریف میں ماہ ذی الحجہ کی تاریخوں میں ایک خاص قسم کی عبادت کی ادائیگی کے غرض سے خانۂ کعبہ کا قصد کرنے کو کہتے ہیں۔ حدیث نبوی کے مطابق یہ سب سے آخری رکن ہے۔ حج کی فرضیت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ نص سے اس کا واضح ثبوت ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ترجمہ۔ اللہ کی عبادت کے لئے لوگوں پر خانۂ کعبہ کا حج فرض کیا گیا۔ اس شخص پر جو وہاں پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔ یعنی آزاد بالغ اور تندرست ہو، اور اسکے پاس اس قدر سرمایہ ہو جو اپنے اہل وعیال کیلئے نان و نفقہ کے سوا اتنا زیادہ ہو کہ سفر حج سے بحسن وخوبی واپس آسکے اور صحیح و سالم ہو، اور اگر حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج کی سعادت سے محروم رہا اور اسی حال میں مرگیا تو خدا کو اسکی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی۔ اعاذنا اللہ منہ، اور عند اللہ روزِ حشر اس کو جواب دینا ہوگا۔

حج ہی ایک ایسی عبادت ہے جو مردِ مومن کو اپنے آقائے نامدار رحمۃٌ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور وہاں پہنچکر نذرانۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی سعادت بخشتی ہے۔ ان کے مزارِ مقدس کی زیارت عبادتوں میں نہ صرف احبّ مستحبات ہے، بلکہ افضل عبادات میں سے ہے۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ جس شخص نے میرے قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ یعنی بارگاہِ نبوت میں پہنچنے کے بعد اس کے قلب نورِ الٰہی سے منور ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا معاملہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذمے ہوتا ہے اور آقا اس کو بخشوانے کے ضامن ہوتے ہیں۔ زیارت نہ کرنے والوں کے حق میں آپ نے فرمایا جو شخص حج کرے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ سے روگردانی کی۔ فضائلِ زیارت ہی کے تحت ایک حدیث ہے جس کو حضرت عثمان رض

نے روایت فرمایا کہ میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لئے حاضر ہوا، اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہ تھا میں نے سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے دیکھ کر عرض کیا، یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کے رونے کا کیا سبب ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں امت کیلئے روتا ہوں کہ ان کو چھوڑ کر جا رہا۔ میرے سامنے جو گناہ وہ کرتے تھے تو میں ان کی شفاعت کرتا تھا۔ یہ بات کرتے ہی آپ خوش ہوئے۔ میں نے عرض کیا آپؐ کے خوش ہونے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد جو آپ کی قبر کی زیارت کرے میں اس کو بخش دوں گا اگرچہ وہ خود آمرزش نہ چاہے۔

حج ہی ایک ایسی عبادت ہے جو مکہ معظمہ کے علاوہ کسی اور مقام پر ادا نہیں کر سکتے۔ اور اس کے برخلاف نماز۔ روزہ ہر جگہ اپنے اپنے اوقات اور شرطوں کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں۔ صرف حج کی ادائیگی ایک خاص مقام کے ساتھ مخصوص کر دی گئی ہے، اور بادشاہ سے لیکر غریب تک سب کے سب ایک ہی لباس میں ملبوس ہو کر ساری دنیا میں پھیلے ہوئے بندۂ مومن حکم خدا کی تعمیل کے لئے پروانہ وار لبیک کہتے ہوئے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں جو ان کی وحدت کی ایک نئی شان کا منظر ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی حاجی احرام باندھ کر لبیک اللہم لبیک کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اے میرے فرشتو۔ میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے گھر کے اشتیاق میں اپنا گھر بار چھوڑ کر لمبا سفر کر کے حاضر ہوتے ہیں۔ اور ان کی تکبیر و تہلیل سے زمین پُر ہو گئی۔ گواہ رہو کہ میں ان سے خوش ہوں اور انکی توبہ قبول کی اور ان کے گناہ بخش دئے اور جنت ان کیلئے حلال اور دوزخ ان پر حرام کر دیا۔ یہ میرے دوست ہیں، اور میں ان کا دوست ہوں۔ یہ میری ملک ہیں اور میں ان کا مالک ہوں اور ان پر حساب کا دفتر نہ کھولوں گا اور نہ ان کیلئے میزان رکھوں گا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر سے جو شخص حج کرنے کیلئے باہر آوے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا ابھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور اس کیلئے ہر قدم کے بدلے جب تک گھر لوٹ کر آوے ستر برس کی عبادتوں کا ثواب ہے اور چالیس روز تک اسکی دُعا مقبول ہے اور چار سو آدمیوں کی شفاعت اس کے گھر والوں کے حق میں مقبول ہو گی۔

حج میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی دینی و دنیوی فائدے رکھے ہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ تاکہ اپنے فائدے کے کاموں میں شریک ہوں، دنیاوی فائدے یہ ہیں کہ حج سے سیاسی، ملکی، تجارتی امور میں تبادلہ خیالات کا موقع ملتا ہے اور اس سے اتحاد اسلامی میں تقویت پیدا ہوتی ہے اور آپس میں ملنے جلنے سے دوستانہ تعلقات اور تمام دنیوی اُمور میں ایک دوسرے سے مل جل کر فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ نیز ایک ساتھ عبادت کرنے سے یقیناً دلوں میں وحدت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اس سے شعائر اسلام ظاہر ہو کر مسلمانوں کی کثیر تعداد کا مظاہرہ ہو

ہے اور سفر کے بے شمار تجربے حاصل ہوتے ہیں اور ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ شیطان کسی دن اس سے زیادہ خوار و ذلیل نہیں ہوتا جتنا کہ عرفہ کے دن ہوتا ہے کیونکہ اس روز حق تعالےٰ خلائق پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ نیز آیا ہے کہ جو شخص حج کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلا اور راہ میں مرگیا تو قیامت تک ہر سال اس کے نامۂ اعمال میں حج وعمرہ کے ثواب لکھے جاتے ہیں۔ اور جو شخص مکہ میں یا مدینہ میں مرجائے وہ حساب سے مامون ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خانۂ کعبہ کو فرشتے عروس کی طرح آراستہ کرینگے اور میدان حشر میں لے چلینگے۔ اثناء راہ میں میری قبر کی طرف سے ہو کر گزرے گا اور بزبان فصیح مجھ سے کہیگا السّلام علیک یا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں اس کے جواب میں کہوں گا:۔ وعلیک سلام یا بیت اللہ، تو میری امت کے ساتھ کیا سلوک کریگا؟ کعبہ کہیگا کہ اے محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم تیری امت سے جو میری زیارت کو آگیا ہے تم اسکی طرف سے خاطر جمع رکھو۔ باقی سفارش آپ کیجئیگا۔ اور آپ نے فرمایا ہے حج مقبول کی نشانی یہ ہے کہ حاجی کا حال اُس حال سے بہتر ہے جو حج کرنے سے پیشتر تھا۔ ایک بزرگ نے عرفہ کی شب خواب میں دو فرشتوں کو دیکھا۔ ایک فرشتے نے دوسرے سے پوچھا کہ تو جانتا ہے۔ امسال کتنے حاجی تھے۔ کہا نہیں۔ کہا چھ لاکھ تھے۔ پھر پوچھا کتنوں کا حج قبول ہوا؟ کہا چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ہیبت کے مارے نیند سے اٹھا اور نہایت غمگین ہوا۔ اور کہا کہ ہرگز میں اُن چھ سے نہ ہوں گا۔ اس اندیشہ وغم سے بیت الحرام میں پہنچا اور سو گیا۔ پھر وہی دو فرشتے میرے خواب میں آئے۔ ایک اس میں کا بولا، تو جانتا ہے کہ حق تعالیٰ نے خلائق میں کیا حکم کیا ہے۔ بولا نہیں جانتا ہوں۔ کہا ایک ایک کی خاطر ایک ایک لاکھ کو بخشدیا۔ پھر میں شاد ہو کر خواب سے بیدار ہوا اور شکر حق ادا کیا۔ حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ہر سال چھ لاکھ بندے حج میں بیت اللہ کی زیارت کرینگے۔ جب اس سے کم ہوں گے تو وعدہ کو پورا کرنے کیلئے ملائک کو بھیجا جاتا ہے۔

عمرے کا وقت تمام سال ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے۔ حج مبرور وہ حج ہے جس کا کسی کو دکھلانا۔ یا جتانا مقصود نہ ہو۔ جو گناہوں سے علیحدہ ہو، اور خلوص نیت سے ہو۔ پھر آپ سے پوچھا گیا حج مبرور میں نیک کام کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور اچھی گفتگو کرنا۔

خدایا اپنے فضل عمیم سے بطفیل جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس گنہ گار تباہ روزگار کو جلد یہ سعادت نصیب فرما۔ آمین

تمت بالخیر

توحید و رسالت (۴)

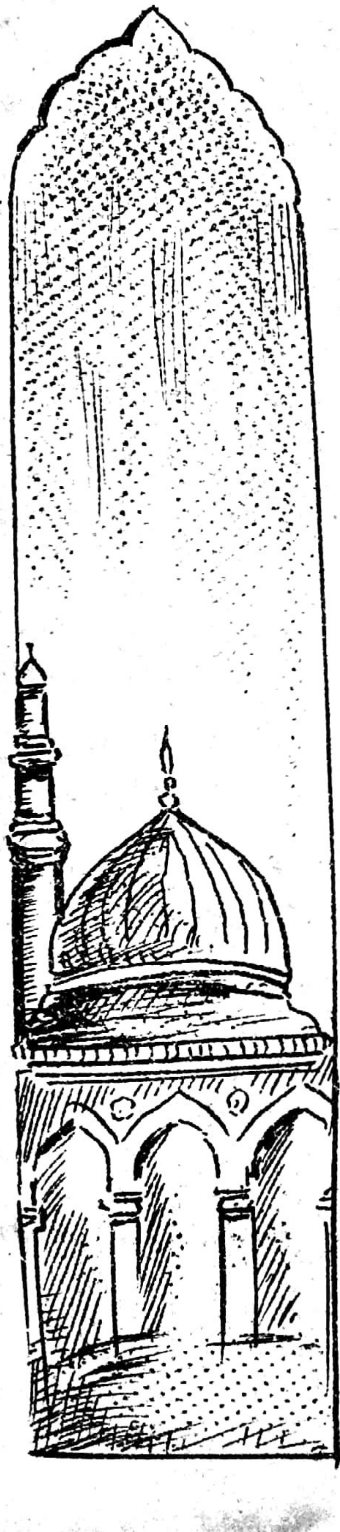
از
مولوی
محمد شبیر
اکرمی ڈھبکلی
درجہ سابعہ

ہر چیز کی ایک بنیاد اور جڑ ہوتی ہے کہ جس پر وہ چیز قائم ہوتی ہے۔ اگر وہ بنیاد اور جڑ نہ ہوتی تو وہ چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ جیسے مکان کی بنیاد زمین پر، اور چھت کی بنیاد دیواروں، اور ستونوں پر ہوتی ہے۔

اسی طرح اسلام کی بنیاد توحید و رسالت کی گواہی، نماز، زکوٰۃ روزہ حج پر ہے اور ان تمام میں توحید و رسالت ہے جسکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں واضح فرمایا ہے بنی الاسلام علے خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکواۃ وصوم رمضان و حج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔

اس حدیث میں کلمۂ طیبہ اسی توحید و رسالت پر دلالت کرتا ہے اور اسلام کے ظاہر ہونے کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگوں میں اللہ کی توحید بلند کی جائے بلکہ تخلیق انس و جن کا مقصد بھی یہی تھا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اس آیت میں لیعبدون کا ترجمہ لیوحدون ہوگا۔ کیونکہ اگر عبادت مراد لیا جائے تو آیۃ مذکور کے اندر عمومیت ختم ہو جائے گی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں عبادت کا لفظ آیا ہے وہاں اس کے معنی توحید ہی کرینگے (خازن) حدیث قدسی ہے کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق جن و انس ہی نہیں بلکہ تمام کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی صرف وحدانیت کو ظاہر کرنا ہے۔ بعد ہی اسکی حقیقت کا راز اس پر آشکار ہو سکتا ہے بغیر اس کے ممکن نہیں یہی عقیدہ اصل و بنیاد ہے اور اتنا مستحکم ہے کہ اگر ساری دنیا اس میں منسلک ہو جائے تو دنیا سے امکان فساد ختم ہو جائے۔



عقیدۂ توحید صرف اسلام ہی ایسا

مذہب ہے کہ جس میں اسکا مکمل تصور پایا جاتا ہے اور دیگر مذاہب عالم میں یہ عقیدہ یا تو مفقود ہے یا بالکل ناقص ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کے خلاف غیر اقوام کی یہ رائے ہے کہ وہ اپنے عقیدے میں اسقدر سخت ہیں کہ ان کی یہ سختی عقائد کے معاملہ میں انکو کسی قسم کی لچک قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اللہ کی ذات وصفات کی نسبت مذہبی دنیا والے عجیب تر اعتقادات وخیالات میں مبتلا تھے۔

چنانچہ عیسائی باپ بیٹا اور روح القدس مان کر تثلیث کے قائل تھے اور مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور شریک الوہیت ٹہراتے تھے۔ مجوسی اہرمن اور یزدان دو خدا مانتے تھے اور بعض روح اور مادہ کو مخلوقیت سے باہر اور قدیم قرار دیتے تھے۔ بعض خدا کے قائل نہیں تھے۔ بعض نے بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا۔ قرآن ناطق ہے۔ ایشرکون مالا یخلق شیئاً وھم یخلقون ولا یستطیعون لھم نصرا ولا انفسھم ینصرون (ترجمہ) کیا مشرک ایسوں کو شریک بناتے ہیں، جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں اور نہ ان کی مدد کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

قرآن جملہ تصورات توحید کو باطل قرار دیکر صحیح تصور ربوبیت پیش کرتا ہے قل ھو اللہ احد الخ کہہ دیجئے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ایک ہے۔ اس سورہ میں رب تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واضح فرما دیا کہ اسکی ذات وصفات کیا ہیں؟ اور شرک کی تمام حیثیت سے نفی کر دی کہ اسکی ذات وصفات وافعال میں کسی کو حق شرکت حاصل نہیں ہے اور عوام عقلاء کو ہر حیثیت سے فکر کا موقع دیا۔ یقیناً اسکی ذات بے نیاز اور ہر عیب سے پاک ہے۔ دوسری جگہ اپنے ہی عقلاء وعوام کو مدنظر رکھتے ہوئے یوں ناطق ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسکو انسان کی طرح اونگھ اور نیند نہیں ہے، جو کچھ آسمان اور زمین پر ہے، وہ سب اسی کے ید قدرت ہے۔ ان سب کا خالق ومالک وہی ہے۔ اسکی بارگاہ وپر جلال میں کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں، اسکی ذات اور اسکی عظمت وبزرگی کو سمجھنے سے عقلیں قاصر ہیں۔

نہ ادراک در کنہہ ذاتش رسد
نہ فکرت بغور صفاتش رسد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھلملاتے اور چمکتے آفتاب و ماہتاب سے خالق ارض وسما کو پایا اور اپنی قوم سے فرمایا اے لوگو! خدا کے سوا جنکو تم پوجتے ہو، میں اس سے علیحدہ ہو کر صرف ایک ذات جو تمام کائنات کا خالق ومالک ہے، اس کی جانب رجوع کرتا ہوں میں اس سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو سب سے پہلے انہوں نے مہد کے اندر انی عبد اللہ فرما کر اپنی عبدیت اور خدا کی وحدانیت کا اقرار فرمایا۔ علاوہ ازیں بہت سے دلائل اسکی الوہیت ووحدانیت پر دال ہے، قرآن پاک میں وارد ہے۔

وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولا کن لا تفقھون تسبیحھم

چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں دریا کی کنکروں سے یہ تسبیح سنی لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اور ابوجہل نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے اپنی مٹھی میں کنکریوں کی زبان سے اقرار الوہیت اور رسالت سنا۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

ایک جگہ قرآن یوں بول رہا ہے والٰھکم اللہ واحد لا الہ الا ھو۔ الرحمٰن الرحیم ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریاح و السحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون۔ ( ) اس آیت میں خالق کائنات کی الوہیت و وحدانیت کو بتانے کے ساتھ مزید رہنمائی کر رہی ہے کہ اہل فہم و فراست کیلئے ان پیدا شدہ چیزوں میں نشانیاں ہیں جن سے خالق کا پتہ آسانی سے مل سکتا ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

توحید کے بعد رسالت کا درجہ ہے یعنی اللہ کی وحدانیت کے اقرار کے بعد اس کے رسول کی رسالت کا اقرار بھی فرض ہے۔ اس لئے کہ اس کے بغیر توحید نامکمل ہے۔ رسول اللہ کے وہ برگزیدہ و مقبول بندے ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے منتخب فرما کر ہماری رشد و ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تاکہ صراط مستقیم کی جانب رہنمائی فرماتے ہوئے ہمیں غارِ ضلالت سے نجات دلائیں یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرما کر حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر اس منصب جلیلہ کو ختم کر دیا۔ اور آپ ہی کی ذات مقدس کو قیامت تک کیلئے رسول قرار دیا گیا اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

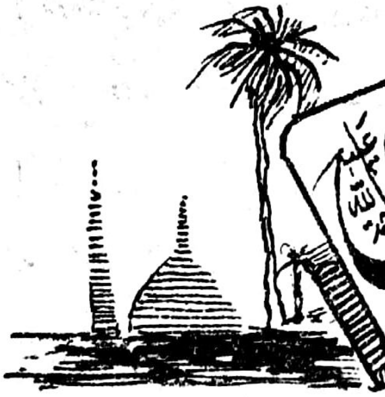
انبیاؑ کے مبعوث ہونے کا مقصد ہی یہ ہے کہ توحید کو مکمل طریقے سے بنی نوع انسان کو سمجھائیں جو ان کی نجات ابدی کا سبب ہو اور مرتبۂ کمال کو پہنچیں، وہ انکی تخلیق کا مقصد اولین و حقیقی ہے لہٰذا توحید کی تکمیل رسالت پر اذعان سے ہوتی ہے۔ اس کے بغیر توحید کے مکمل ہونے کا خیال ظن فاسد کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسی لئے قرآن اطاعت الٰہی کے ساتھ اطاعت رسول کو جزو ایمان قرار دے رہا ہے تاکہ توحید میں کسی قسم کا نقص باقی نہ رہ جائے۔ ان دونوں میں سے کسی سے انکار مقصد کو بالکل فوت کر دیتا ہے منکر الوہیت اقرار رسالت کر کے تضحیک رسالت کر رہا ہے۔ اس لئے کہ اقرار رسالت کا کمال الوہیت ہی پر موقوف ہے جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

لہٰذا مومن کامل اور موحد کامل بننے کیلئے لازم ہے کہ جس طرح وہ اقرار الوہیت اور عظمت و جلال الٰہی کا اقرار کر رہا ہے اسی طرح رسول کی رسالت اور علو شان اور ان کی برتری کا اقرار کرے، اس لئے کہ رسول اللہ ہی کی ذات و صفات کے مظہر ہیں لہٰذا زبان عبداللہ سے احکام اللہ کا اجراء فرما رہے ہیں۔

تمت



حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

از مولوی محمد ضیاء الدین
زمرۂ ثانیہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ
ویلور

صفحۂ ہستی پر بہت سے نقوش اُبھرے اور مٹ گئے۔ لیکن اُن میں سے بعض ایسے بھی اُبھرے اور اُبھرتے چلے گئے جن کو زمانہ کی دبیز تیرگیاں بھی فنا نہ کر سکیں۔ ان نہ مٹنے والوں میں ایک حضرت امام بخاریؒ کی شخصیت بھی ہے۔ آپ کی جانفشانی ہی کا نتیجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا بیش بہا خزانہ مستند و مستحکم طریقہ سے محفوظ ہے۔

یہ وہ گراں مایہ سرمایہ ہے جسکی مثال دنیا پیش کرنے سے عاجز ہے!

قرآن شریف کے بعد کوئی صحیح کتاب روئے زمین پر موجود ہے، تو وہ صرف بخاری شریف ہی ہے جسکو حضور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب منسوب فرمایا۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت مصنفؒ کے مختصر حالاتِ زندگی سپردِ قلم کروں:۔

نام اور سلسلۂ نسب

امام بخاریؒ کا نام محمد ہے اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ اور سلسلۂ نسب آپ کا اس طرح سے ہے۔ محمدؒ بن اسمٰعیل ابن ابراہیم ابن مغیرہ، ابن بردزبہ،

پیدائش علیہ مبارک

آپ ۱۰ شوال سنہ ۱۹۴ھ ایکسو نود پر چار سنہ ہجریؒ جمعہ کے دن بعدِ نمازِ جمعہ پیدا ہوئے۔ قد نہ بہت دراز تھا اور نہ بہت ہی پست بلکہ میانہ قد تھا۔ آپ لڑکپن میں نابینا ہو گئے تھے جسکی وجہ سے آپ کی والدۂ ماجدہ کو بہت رنج رہتا تھا اور نہایت گریہ و زاری سے بارگاہِ الٰہی میں آپکی بینائی کے لئے دعا کیا کرتی تھیں۔ ایک شب آپکی والدۂ محترمہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری گریہ و زاری کے سبب سے تیرے فرزند کی بصارت لوٹا دی۔ جب آپ صبح کو بیدار ہوئیں اور اپنے لختِ جگر کی دونوں آنکھوں کو صحیح سلامت پایا تو خدا کا شکر ادا کیا۔

حصولِ علم

آپ کو بچپن ہی سے حدیث کا بہت زیادہ شوق تھا۔ جب کبھی کہیں حدیث کا ذکر سنتے فوراً سماعت کے لئے چلے جاتے اور اسکو ازبر یاد کر لیتے۔ جب آپنے مکتب سے فراغت پائی اور معلوم ہوا کہ بخارا میں کوئی شخص حدیث کا جاننے والا ہے جسکا نام داخلی ہے۔ آپنے ان کی خدمت میں آمد و رفت شروع کی۔ ایکدن کا واقعہ ہے کہ داخلی اپنی کتاب سے سامعین کو روایت حفظ کرا رہے تھے، اثنائے روایت میں کچھ راوی آگے پیچھے ہو گئے۔ امام بخاری نے فوراً سبقت کرتے ہوئے کہا حضرت اسطرح غلط ہے ـــ سفیان عن ابی زبیر عن ابراہیم۔ حضرت ابو زبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ داخلی نے نہ مانا تو آپنے کہا اسکو اصلی نسخہ

میں دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ داخلی اپنے مکان تشریف لے گئے، اور اصلی نسخہ دیکھا اور فوراً باہر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اس لڑکے کو بلاؤ، جب آپ تشریف لائے تو آپ سے دریافت کیا، اصلی نسخہ کیا ہے۔ تو اس وقت آپ نے فرمایا اصلی نسخہ اسطرح سے ہے سفیان عن ابی زبیر عن عدی عن ابراھیم، داخلی کو بہت تعجب ہوا اور فی الحقیقت ایسا ہی تھا پھر داخلی نے اسکی تصیح کی۔ اسوقت آپ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔

قوت حافظہ اور جلالت علمی

سولہ سال کی عمر میں ابن المبارک کی تمام کتابیں حفظ کرلیں اور حضرت وکیع کا نسخہ بھی ازبر کرلیا، آپ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالٰے نے قیامت کے دن کسی کی غیبت کے بارے میں سوال کیا تو میں یقین کے ساتھ کہوں گا کہ میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ جب آپکی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو سلسلہ تصنیف کے ساتھ ساتھ فضائل صحابہ و تابعین کی تصنیف بھی شروع کی۔ صحیح معنی میں حدیث کا علم آپ ہی کو تھا جیسا کہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے کہا ہے ما رائیت تحت ادیم السماء اعلم بحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من محمد بن اسماعیل البخاری۔

ایکدن اسحاق بن راھویہ منبر پر تشریف رکھے ہوئے تھے اور حدیث کی قرأت فرما رہے تھے۔ ایک حدیث پر امام بخاریؒ نے ٹوک دیا۔ اسحاق ابن راھویہ نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے طلباء سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا اے طالبانِ حدیث اس نوجوان سے بھی حدیث لکھو۔ اگر یہ شخص حسن بصریؒ کے زمانہ میں ہوتا تو وہ بھی اسکی محدثیت اور فقاہت کے محتاج ہوتے۔

حامد ابن اسماعیل جو بخاری کے زمانہ کے محدث ہیں، کہتے ہیں کہ بخاری میرے ساتھ شیوخ وقت کی خدمت میں حدیث کی طلب کے لئے حاضر ہوتے تھے لیکن آپکے ساتھ دوات وقلم نہ ہوتا تھا۔ اور نہ وہاں کچھ لکھتے تھے، ایکدن میں نے کہا آپ کا اسطرح آنا بیکار ہے اور سننا ہوا کی طرح ہے، اس سے کیا فائدہ۔ اس کے سولھویں دن بعد امام بخاریؒ نے مجھ سے کہا آؤ میری محفوظات کا اپنی لکھی ہوئی کا مقابلہ کراؤ۔ پس امام بخاریؒ نے ان پندرہ ہزار حدیثوں کو جو میرے پاس لکھی ہوئی تھیں سندوں کے ساتھ ازبر سنایا۔ بلکہ خود میں نے اپنی لکھی ہوئی کو اُن سے تصیح کیا۔ حضرت امام محمد بن حنبلؒ نے فرمایا، خراسان نے محمد ابن اسماعیل بخاری جیسا کوئی انسان پیدا نہیں کیا!

حضرت قتیبہ بن سعد فرماتے ہیں، میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے محمد ابن اسمٰعیل بخاری جیسا شخص نہیں دیکھا۔ وہ اس زمانے میں ایسے ہیں جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کے درمیان تھے۔ اگر محمد بن اسمٰعیل صحابہ میں سے ہوتے یقیناً خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشان ہوتے۔

وجہ تصنیف

ایکدن حضرت امام بخاریؒ اسحاق بن راھویہ کی مجلس میں موجود تھے اس مجلس میں احباب نے کہا اللہ تعالیٰ کسی کو اس امر کی توفیق دے کہ سُنن میں ایک ایسی مختصر کتاب جمع کرے جو رہتی دنیا تک لوگوں کو اس سے فائدہ حاصل ہو اور دوسرے کی حاجت نہ پڑے۔ یہ بات حضرت امام بخاریؒ کے دل پر اثر کی۔ اسوقت

اس کا خیال پیدا ہوا اور ان چھ لاکھ حدیثوں میں جو حضرت امام کو یاد تھیں انتخاب کرنا شروع کیا۔ ان میں جو مع اسناد صحیح ترین احادیث تھیں انہیں پر اکتفا کیا۔ جب آپ کسی حدیث کے لکھنے کا ارادہ کرتے، تو پہلے غسل کرکے دو رکعت نفل نماز ادا کرتے اس کے بعد اسکو لکھتے تھے۔ اس طرح اس جامع کو سولہ سال کی مدت میں ختم کیا۔

اس اہم کام کو مدینۂ منورہ میں مع بین روضہ ومنبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے انجام دیا۔ اور ہر حدیث کا ترجمہ لکھتے وقت دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ الغرض امام کی حسن نیت کا ثمرہ تھا۔ آپ کی زندگی ہی میں اس جامع کو اتنی مقبولیت ہوئی جو دوسری کو بہت کم ہوئی۔ یعنی آپ کی زندگی ہی میں اسکو نوے ہزار (۹۰۰۰۰) آدمیوں نے بلا واسطہ امام سے سنا جن میں سب سے آخری فربری ہیں۔ اور آج کل جنکی روایت علو اسناد کی وجہ سے شائع و مشہور ہے۔

جسطرح صالحین کو زمانے کے دنیا دار حکمرانوں نے مصائب و ابتلاء میں ڈالا، اسی طرح امام بخاری کے ساتھ بھی پیش آیا۔ یعنی اس دور کے امیر بخارا خالد ابن احمد ذہلی نے امام بخاری کو یہ حکم دیا کہ میرے بچوں کو جامع اور تاریخ اور دوسری کتابوں کا درس میرے مکان پر آکر دیا کریں۔ امام نے جواب دیا یہ حدیث کا علم ہے میں اسکو ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ تم اپنے لڑکوں کو میرے مکان پر روانہ کردو، وہ دوسرے طلباء کی طرح حاصل کرینگے۔ امیر نے کہا اچھا جسوقت میرے بچے آپکے مکان پر آئینگے اسوقت میرے لڑکوں کے علاوہ کوئی دوسرا لڑکا نہ ہوگا اور میرے دربان حفاظت کے لئے دروازہ پر موجود رہینگے۔ میری نخوت یہ گوارا نہیں کرتی کہ میرے لڑکوں کے ساتھ جولاہے اور دھنئے کے لڑکے ہوں۔ تو اس وقت آپنے فرمایا یہ علم نبی علیہ السلام کی میراث ہے تمام امت اسمیں برابر کی شریک ہے۔ یہ کسی کے لئے خاص نہیں۔ امیر امام بخاری سے رنجیدہ ہو گیا، تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ امیر نے ابن ابی ورقاء اور دوسرے ظاہر پرست علماء کو اپنا رفیق بنا کر بخاری کے مذہب پر طعن و تشنیع کرنا شروع کیا۔ اور آپ کی اجتہاد میں غلطیاں نکال کر ایک محضر تیار کرایا۔ اسی حیلے و بہانے سے آپ کو بخارا سے نکال دیا۔ جب بخاری وہاں سے روانہ ہوئے تو انہوں نے جناب الٰہی میں دعا کی، اے اللہ ان لوگوں کو اسی بلا میں مبتلا کر جس میں وہ مجھے مبتلا کرنا چاہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ماہ کے اندر اندر ہی خالد ابن احمد کو معزول کردیا گیا اور خلیفہ کا حکم تھا کہ خالد ابن احمد کو گدھے پر سوار کرکے ان کی تشہیر کی جائے اور ان کے رفقاء کا بھی یہی حال ہوا۔ سب وقار و ناموس خاک میں مل گئے اور بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ امام اسی بیکسی کی حالت میں اولاً نیشاپور گئے۔ جب وہاں کے امیر سے موافقت نہ آئی، تو وہاں سے خرتنگ چلے گئے۔ یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو سمرقند سے دو منزل پر واقع ہے۔

وفات

۲۵۶ھ میں شب دوشنبہ کو جو لیلۃ الفطر تھی عشا کی نماز کے وقت اسی جگہ آپ کا انتقال ہوا۔ اور عید کے دن ظہر کی نماز کے بعد مدفون ہوئے امام کی عمر شریف اسوقت تریسٹھ سال کی تھی۔

عبدالواحد طوسی، اس زمانہ کے اکابر اولیاء میں سے ہیں انہوں نے یہ خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ برسر راہ منتظر کھڑے ہوئے ہیں۔ عبدالواحد طوسی سلام کرنے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کس کا انتظار ہے۔ آپ نے فرمایا محمد ابن اسماعیل بخاری کا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے چند دن بعد ہی میں نے بخاری کی وفات کی

رشتۂ یاری

از
حافظ محمد کمال الدین
عارف بجنوری

احکامِ خداوندی:-

(۱) اے لوگو! تم خدائے تعالیٰ کا کیونکر انکار کرسکتے ہو، تم بے جان تھے، اس نے تم میں جان ڈالی۔ پھر وہی تمہیں مارتا ہے، پھر وہی تمہیں قیامت کے دن دوبارہ زندہ کریگا اور پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤگے۔

(۲) جو شخص عزّت کا طلبگار ہو اسے چاہئے کہ وہ خدا کی فرماں برداری کرے کیونکہ عزّت ساری خدا کی دین ہے۔

(۳) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے خوشحالی پیدا کردیتا ہے اور اُسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جو اسکے خواب خیال میں بھی نہیں۔

ارشاداتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم

۱) انسان میں سب سے اچھا انسان وہ ہے، جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔

۲) ہر گناہ کی توبہ ہے لیکن بداخلاق کی توبہ نہیں۔

۳) ہر نیک وبد کے ساتھ نیکی کرو، اگر وہ نیکی کرنے کے قابل نہیں تو تو اس قابل ہے۔

۴) خدا کی عبادت اسطرح سے کر گویا تو اسے دیکھتا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا ہے، تو وہ تجھے دیکھتا ہے، اپنے آپ کو تمنّا سے بچا کہ وہ بے وقوفوں کی وادی ہے

۵) مسلمان کی رنجش کا خاتمہ سلام علیک ہے۔

ارشاد حضرت سلیمان ؑ

جب انسان کی روش خداوند کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے تو وہ دشمنوں کو بھی اسکے دوست بنا دیتا ہے۔

اپنے ہمسایہ کے گھر کو جانے سے اپنے پاؤں کو اکثر باز رکھ، ایسا نہ ہو کہ وہ دق ہو کر وہ تجھ سے کینہ پیدا کرے۔

عملِ صالح وہ ہے جس پر لوگوں کی اُمید نہ رکھی جائے۔

مصیبت میں صبر کرنا سخت ہے مگر صبر کے ثواب کو ضائع نہ ہونے دینا سخت تر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

بخشش کرنا امیر سے خوب ہے لیکن محتاج سے خوب تر ہے۔ " " "

جب عالم کو لغزش ہوتی ہے تو اس سے ایک عالم لغزش میں پڑ جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کسی مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ رزق کی تلاش میں بیٹھ جائے اور دُعا کرے کہ اللہ مجھے رزق دے کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا۔ ... ... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

غنا مال و دولت کی زیادتی پر موقوف نہیں حقیقی غنا دل کا غنا ہے۔ ... ... حضرت عثمان ذوالنورین رض

دولت خرچ کرتے رہو، روکومت، ورنہ ہوسکتا ہے خدائے تعالیٰ بھی دولت کے دروازے تم پر بند کردے۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی

صاحبِ علم اگرچہ حقیر حالت میں ہو اسے ذلیل نہ سمجھ۔ بے وقوف اگرچہ بڑے مرتبہ پر ہو اُسے بڑا مت خیال کر۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

انسان کی قابلیت اس کی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔ " "

دنیا کی محبت سے خاصانِ خدا کو پہچاننے والی آنکھ اندھی رہتی ہے۔ حضرت غوث الاعظم رح

شکستہ قبروں پر غور کر کہ کیسے کیسے حسینوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔ " "

وہ بنیاد جو کبھی ویران نہ ہو عدل ہے۔ وہ تلخی جس کا آخر شیرینی ہو صبر ہے۔ وہ شیرینی جس کا آخر تلخ ہو شہوت ہے۔ وہ بیماری جو علاج پذیر نہ ہو ابلہی ہے، وہ بلا جس سے لوگوں کو بھاگنا چاہیئے عیش ہے۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

ہر وہ لڑکا جو اُستاد کی سختی نہیں جھیلتا اُسے زمانے کی سختیاں جھیلنا ہوتی ہیں۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ

بقیہ صفحہ ۶۷۔ خبر رسمی تحقیق کرنے سے معلوم ہوا۔ وہی وقت تھا جس میں میں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا۔

خصوصیتِ صحیح بخاری

شدت کے وقت، دشمنوں سے خوف کی حالت میں، کثرتِ مرض اور قحط سالی میں اس کتاب کا پڑھنا تریاق کا حکم رکھتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

ایک دفعہ محمد بن مروزی مکہ معظمہ میں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان میں سو رہے تھے تو اس وقت یہ خواب دیکھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ابو زید کتاب شافعی کا درس کب تک جاری رکھو گے ہماری کتاب کا درس کیوں جاری نہیں کرتے۔ تو اس وقت پریشان ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جان آپ پر قربان آپ کی کونسی کتاب ہے۔ فرمایا جامع محمد ابن اسمٰعیل ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور حضرت امام کے وسیلہ سے ہم مسلمانوں کو صحیح بخاری سے پورے پورے استفادے کی توفیق عنایت فرمائے اور حضرت امام کی قوت ایمانی سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم۔

فضیلت و ضرورت فقہ

از مولوی سید محمد انوار اللہ
لطیفی زمرۂ سابعہ
پرانہ نور محل
متعلم مدرسۂ لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

فقہ کے لغوی معنی ہیں کسی شئی کا جاننا اور سمجھنا اور امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اسکے معنی یوں بیان فرماتے ہیں' الفقہ هو التوصل الی علم غائب بعلم شاهد فهو اخص من العلم یعنی فقہ علم حاصل سے علم غائب کی طرف پہنچنا ہے۔ لہٰذا وہ مطلق علم سے خاص ہے اور اصطلاح فقہ میں اسکی تعریف یہ ہے کہ معرفۃ النفس ما لها وما علیها یعنی نفس کا ان چیزوں کو پہچاننا جو اس کے لئے ہے اور جو اسپر ہے۔ اور بعض نے اسکی تعریف میں یہ بھی کہا ہے کہ هو قیل العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلتها یعنی احکام شرعیہ کو تفصیلی دلائل سے جاننے کا نام فقہ ہے اور علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ صفحہ ۴۶۴ میں فقہ کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ جس علم سے افعال مکلفین کے متعلق احکام الٰہی کی معرفت نصیب ہو اس حیثیت سے کہ واجب ہیں ممنوع' مندوب ہیں مکروہ یا مباح' تو وہ فقہ کہلاتا ہے۔ ان احکام کو کتاب اللہ وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم' اور ان ادلہ شرعیہ سے اخذ کرتے ہیں جو حضرت شارع علیہ السلام نے اُن پر قائم ودائم کئے ہیں اور علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فقہ اور فقیہ کی تعریف میں فرماتے ہیں الفقہ حقیقۃ الشق والفتح والفقیه الذی یشق الاحکام و یفتش عن حقائقها ویفتح ما استغلق منها (ترجمہ) فقہ کے اصلی معنی شق و فتح کے ہیں اور فقیہ اسکو کہتے ہیں جو احکام میں موشگافیاں کرکے اسکے حقائق معلوم کرے اور مشکل و مغلق امور کو کھول دے۔

فقہ کی بہت سی فضیلتیں ہیں جن کا ثبوت ہمیں قرآن عظیم اور احادیث کریمہ سے ملتا ہے اور جسکو یہ چیز حاصل ہوئی متفقہ طور سے اُسے عام علماء اور محدثین پر فوقیت وبرتری حاصل ہے۔ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرًا کثیرًا یعنی جسکو حکمت (دین کی سمجھ) عطا ہوئی اسکو بڑی بھلائی مل گئی۔ حدیث نبویؐ ہے ومن یرد اللہ به خیرًا یفقه فی الدین خدا جسکے لئے بھلائی چاہتا ہے اسکو دین میں فقہ (سمجھ) عطا کرتا ہے! حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایکمرتبہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے اور ملاحظہ فرمایا تو وہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دو جماعتوں میں منقسم بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طبقہ تو خدا سے دُعا کر رہا تھا اور اسکی جانب متوجہ تھا۔ دوسرا طبقہ تعلیم دے رہا تھا۔ آپنے فرمایا یہ دونوں گروہ اچھے ہیں' ایک تو خدا کی جانب متوجہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو ان کی حاجتیں پوری فرمائے۔ اگر چاہے تو نہ دے یہ دوسرا گروہ سب سے افضل ہے۔ چونکہ دین کی باتیں خود بھی سیکھتے ہیں اور ناواقفوں کو بھی سکھاتے ہیں۔ یہ ارشاد فرماکر آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا میرا منصب بھی تعلیم ہی دینا ہے قال النبی صلی اللہ علیه وسلم ان لکل شئ دعامۃ ودعامۃ هذا الدین الفقه فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی ہر چیز کے لئے

ایک ستون ہے جس پر اس کا دار ومدار ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے۔ ایک فقیہہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔ سرورِ دوعالم پیارے آقا احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکمالِ محبت وشفقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی کہ اللھم فقھہ فی الدین آقا کی ایک نگاہِ کرم سے آپ فقیہہ فی الدین اور رئیس المفسرین کہلائے

کنز الاعمال باب الطہارۃ میں ہے کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایکدن عطاء وطاؤس وعکرمہ رحمۃ اللہ علیہم تشریف فرما تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں جب پیشاب کرتا ہوں تو اس کے ساتھ سفید پانی نکلتا ہے کیا اس سے غسل واجب ہے؟ تو حضرت عکرمہؒ نے اس سے پوچھا کیا وہ وہی ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں! آپؒ نے فرمایا تمپر غسل واجب ہے، وہ شخص یہ سنکر انا للہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فوراً نماز ادا کر کے حضرت عکرمہؒ سے کہا کہ جاؤ فوراً اس شخص کو بلاؤ۔ حضرت عکرمہؓ سے پوچھا کہ کیا تم قرآن وحدیث سے فتویٰ دیا۔ حضرت عکرمہؓ نے کہا نہیں! پھر آپ نے ان سے پوچھا کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے؟ انہوں نے کہا نہیں! تو پھر کس سے فتویٰ دیا۔ حضرت عکرمہؓ نے عرض کیا کہ اپنے قیاس سے۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ اس شخص کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ پیشاب کرتے وقت جو پانی آتا ہے وہ پیشاب ہی کی طرح آتا ہے یا کود کر۔ اس نے کہا پیشاب کی طرح۔ پھر آپ نے سوال کیا کہ کیا اسکے نکلتے وقت شہوت اور جوڑوں میں استرخائ یعنی (ڈھیلاپن) یعنی ہڈیاں ڈھیلی پڑجاتی ہیں۔ اس نے عرض کیا نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس میں غور وخوض کیا۔ جب آپ کو اسمیں غسل کی علت معلوم نہ ہوئی تو آپ نے وضو کا حکم دیا اور فرمایا کہ عکرمہ نے ظاہری معنیٰ کو دیکھتے ہوئے فتویٰ دیا اور غسل کی علت پر غور نہ فرمایا۔ لذالک یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، ایک فقیہہ شیطان پر ہزار عابد سے اشد ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عکرمہؓ فقیہہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی نظر اسکے علل کی جانب گئی اور ظاہری صورتِ حال پر انہوں نے حکم جاری فرمادیا۔ قرآن کریم میں ایک لفظ کے مختلف معنیٰ آتے ہیں اور ناسخ ومنسوخ آیتیں بھی ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی ناسخ اور منسوخ حدیثیں ہوا کرتی ہیں۔ اور قرآن کریم کے معنیٰ کو سمجھنا اور ناسخ ومنسوخ آیات واحادیث کو علیحدہ کرکے مسائل کا استنباط کرنا ہرکس وناکس کا کام نہیں۔ اس لئے علماء اسلام نے اسکی ذمہ داری لی اور برسہا برس کی مدت میں جانفشانیوں کے بعد علم فقہ کی مستقل تدوین فرمائی۔

ان ائمہ مجتہدین واساطین دین حنیف کا امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسانِ عظیم ہے جنہوں نے احکام الٰہی کی تفصیل فرماکر لوگوں کے لئے ترقی کی راہیں آسان فرمادیں۔ دین اور احکام الٰہی کو سمجھنے کا راستہ کھول دیا۔ یہی وجہ ہے کہ فقیہہ کو محدث پر فوقیت وبرتری حاصل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محدثین نے صحیح احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع فرماکر بعینہٖ آقائے نامدار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائحہ عمل کو اہلِ عالم کے لئے

ہمیشہ کیلئے محفوظ فرمادیا لیکن صرف حادیث کو لیکر اسپر کما حقہٗ عمل پیرا ہونا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ لہٰذا فقہائے کرام نے احادیث اور قرآن عظیم کی گہرائیوں میں ڈوب کر حقائق دین کو ہر ایک کے لئے واضح فرما دیا۔

صاحب کشف الرموز فقہ پر بحث کرتے ہوئے حضرت اعمش رضی اللہ عنہٗ کے ایک قول کو نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہٗ سے مخاطب ہو کر فرمایا یا معاشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلہ یعنی اے گروہ فقہاء تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں نیز آگے چلکر فرماتے ہیں کہ ایک حج میں حضرت اعمش رضی اللہ عنہٗ اور امام اعظم رضی اللہ عنہٗ کا اجتماع ہوا انہوں نے امام صاحب کو کہلایا کہ مناسک حج ہمارے لئے لکھ بھیجیں۔ (انتہیٰ)

اس روایت سے روز روشن کی مثل واضح ہوا کہ ایک محدث محدث ہونے کے باوجود فقیہہ کا محتاج رہتا ہے، کیونکہ احکام کو کما حقہٗ فقہ ہی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

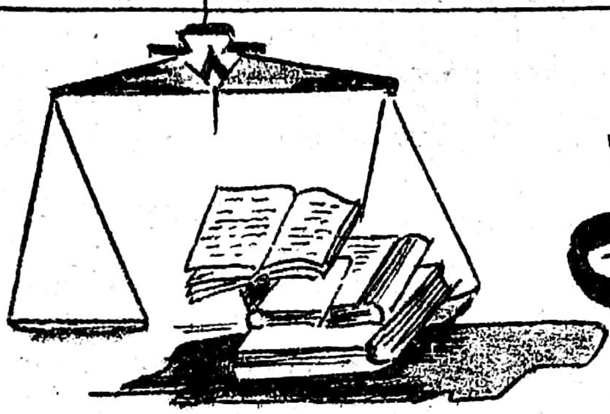
نیز یہ کہ ایک محدث جب کما حقہٗ احکام دین کو سمجھنے کے لئے فقہ کی جانب اس قدر محتاج ہے پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ عوام اس سے بے نیاز ہو کر کما حقہٗ قرآن عظیم و احادیث کو سمجھ کر اپنی زندگی کا سارا حل خود تلاش کر لینگے۔ یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔

خاکسار طالب العلم کی دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں وصحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طفیل سے شریعت مطہرہ پہ صحیح معنوں میں ہم سب کو عمل پیرا ہونے کی نیک توفیق بخشے اور دین میں سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور ہم سب کو مومن کامل بنادے اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی الفت و محبت ہمارے دلوں میں روز روشن کی طرح قائم رکھے۔

آمین۔ ثم آمین بجاہ سید المرسلین

وآخر دعواهم ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام



فضیلت عدل

از سید محمد اسحٰق ـــــ زمرہ خامسہ
مدرسہ لطیفیہ حضرت مکانؒ ویلور

عدل ایک ایسا جوہر ہے جس کے ذریعہ ملک کی زینت ہوتی ہے اور قوم سنورتی ہے۔ عدل کی تعریف علماء نے یوں کی ہے (وضع الشئی فی محلہ) یعنی کسی چیز کو اپنے صحیح مقام و محل میں رکھنا۔ قرآن کریم میں اکثر جگہوں پر اسکی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ قرآن ناطق ہے ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان ؁ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بادشاہوں کا ایک گھنٹہ عدل کرنا اس کے ساٹھ برس کی عبادت کرنے سے بہتر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں بھی عدل ہی کو مقدم رکھا احسان پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عدل کرنے والے قیامت میں نور کے ممبروں پر ہونگے۔ ہر بادشاہ پر لازم ہے کہ عدل سے رعایا کی دادگیری کریں ؎

دادگری شرطِ جہانداری است
دولت باقی ز کم آزادی است

حدیث شریف میں آیا ہے کہ عادل بادشاہ خدا کی مہربانی کے سایہ کے نیچے ہوتا ہے۔ جہاں بھی وہ ہوتا ہے وہاں نعمت ہمیشہ برستی ہے اور فرشتے اس کے نگہبان ہوا کرتے ہیں ؎

شاہِ عادل سایۂ لطفِ حق است
خلق را در سایۂ خود جائے دہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو بھی حاکم بناتے تو فرماتے کہ لوگوں کی حاجت روائی کے وقت اور ان کی دادخواہی کے وقت پر دروازہ بند نہ رکھیں تاکہ مظلوم انصاف سے اپنا حق حاصل کرے۔ اگر بادشاہ عادل ہے تو وہ زمین پر خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور اگر ظالم ہے تو وہ شیطان کا خلیفہ ہے۔ عدل سے متعلق نوشیروان کا مشہور واقعہ ہے کہ ایکدفعہ وہ شکار کیلئے نکلا، تو شکارگاہ میں نمک نہیں تھا۔ اُس نے نمک لانے کیلئے کسی گاؤں کو بھیجا اور کہا نمک قیمت دے کر لینا تاکہ بدامنی اور بے انصافی نہو۔ لوگوں نے کہا اتنی سی بات میں کیا بدامنی ہوگی۔ نوشیرواں نے کہا کہ دنیا میں پہلے تھوڑا ہی ظلم ہوا ہے بعد میں جو کوئی آیا اس نے اس پر زیادتی کیا۔ ان کے عادل ہونے ہی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخریہ فرماتے ہیں کہ میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک و قریب بادشاہِ عادل ہے اور سب سے زیادہ دُور بادشاہِ ظالم ہے۔

ایکمرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لے گئے۔ اثناء راہ میں کھانا کھانے کی ضرورت ہوی متعلقہ کام صحابہؓ نے تقسیم کرلیا۔ کسی نے آٹا گوندھنا کسی نے آگ جلانا

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑیاں لانا اپنے ذمہ لے
لیا صحابہ کرام نے بہت کوشش کی کہ آپ آرام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا!
آخر میں بھی تو کھاؤں گا تمہارے مانند میں بھی تو آدمی ہوں دنیا کا قیام
چار چیزوں پر ہوتا ہے۔ اول علماء دوم امیروں، سوم فقیروں کی
دعا لینا، چہارم بادشاہ کا عادل ہونا۔ قیامت میں بادشاہوں سے پہلے
عدل ہی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (اول ما یحاسب بہ
الامراء العدل) اول امراء سے عدل کے متعلق حساب لیا جائیگا۔
عدل ہی کے متعلق سلطان ملک سے متعلق ایک واقعہ ہے کہ وہ شکار
کے لئے تشریف لے گئے۔ شام کے وقت اصفہان کے کسی قریہ میں
فروکش ہوئے۔ شاہی غلاموں نے جنگل میں ایک گائے پائی۔ فوراً
ذبح کر کے کباب بنا کر کھا گئے۔ وہ گائے ایک بوڑھی عورت کی
تھی۔ جسکے دودھ سے تین یتیم بچوں کی پرورش کرتی تھی۔ بوڑھیا
کو اسکی خبر ہوئی تو اس کے ہوش جاتے رہے۔ دوسرے روز رود
کے پل پر بادشاہ کے انتظار میں کھڑی ہوگئی۔ صبح کے وقت بادشاہ
کی سواری چلی۔ بڑھیا نے بادشاہ کو دیکھ کر فریاد بلند کی کہ اے الپ
ارسلان کے بیٹے اس پل پر میری فریاد کو پہنچ ورنہ خدا کی قسم پلصراط
پر تیرا دامن نہیں چھوڑونگی۔ تجھکو اختیار ہے چاہے یہ پل اختیار
کرے یا وہ پلصراط اختیار کرے۔ بادشاہ نے کہا مجھے وہ پل اختیار
کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہی پل اختیار کرتا ہوں، کہہ کیا کہنا چاہتی
ہے؟ بڑھیا نے کہا کہ میرے معاش کی ساری کائنات ایک گائے
تھی جس سے تین یتیم بچوں کی پرورش ہوتی تھی۔ تیرے غلاموں نے
اسکو کباب بنا کر کھا ڈالے ہیں۔ میرا دل رنج سے کباب ہے۔ تو بادشاہ
نے سن کر اسی وقت ان غلاموں کی سخت سزا مقرر کی اور بڑھیا
کو ستر گائے دودھ دینے والی عطا فرمائی۔ بڑھیا بادشاہ کو
دعا دیتی ہوئی رخصت ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ کے
وفات کے بعد ایک عارف باللہ نے اس کو خواب میں دیکھا تو
اس کا حال دریافت کیا تو ملک شاہ نے جواب دیا کہ اگر بڑھیا
کی سفارش میرے حال پر نہ ہوتی تو کہیں ٹھکانا نہ ہوتا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو حاکم ہے وہ
لوگوں پر نگہبان ہے اور وہ رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا
اور ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک حاکم ہے۔ اور ہر ایک
سے اسکی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ لہٰذا ہر انسان کو
لازم ہے کہ وہ ہر حال میں عدل کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دے
کہ قیامت میں اس سے سوال کیا جائے گا۔ عدل کے ارکان سے
یہ ہے کہ بادشاہ نہایت اطمینان سے مظلوم کی فریاد سنے اور اس کا
انصاف کرے اور ان کے ساتھ مہربانی کرتے ہوئے انکی ضروریات
کو پوری کرے۔ بادشاہ مظلوم کی بسیار گوئی پر ملول خاطر نہ ہو
اس لئے کہ وہ طبیب کے مانند ہے اور مظلوم بیمار کی طرح سے ہے،
حکیم جبتک مریض کی پوری حالت نہ سنے اور تمام باتوں پر غور
نہ کرے۔ اسوقت تک وہ کما حقہٗ مریض کے مرض پر اطلاع نہیں
پا سکتا۔ جس کے بغیر صحیح تشخیص ممکن نہیں ؎

تو طبیب و منت بیمارم
حال دل از تو چہ پنہاں دارم

عدل ہی کے بل پہ ارض وسما قائم ہے۔ اگر سیارہ اپنے مقام
سے ایک انچ سرک جائے تو نیلگوں فضاؤں کے کروڑوں آفتاب
ایکدوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں۔

والسماء رفعها ووضع الميزان اللہ تعالےٰ
نے آسمانوں کو اٹھا کر ان میں عدل و توازن قائم کر دیا) اگر آج
اقلیم انسانی سے عدل کو خارج کر دیا جائے تو ظلم و ستم کا سیلاب
ہماری بنیادوں تک کو بہالے جائے گا۔ قوم کی زندگی عدل ہی سے

ہے۔ جب کسی مملکت میں عدل نہیں رہتا عدالتیں ظلم سے بھر جاتی ہیں۔ حکام کیسہ تراشی وکفن دوزی پر اُتر آتے ہیں تو عوام میں شدید اضطراب پیدا ہو جاتا ہے جو بالآخر بغاوت کی راہ اختیار کر لیتا ہے بعض عیسائی اور ہندو کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اُن سے اتفاق ہے لیکن جو تلواریں کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں تھیں اس کا دوسرا نام عدل تھا۔

تاریخ اٹھا کر دیکھو۔ ہر تاریخ میں یہ واقعہ ملیگا جب قیصر روم کے ناگہانی حملہ سے (شام کے سالار اعلیٰ) کو شام کا ایک شہر محض خالی کرنا پڑا تو اس نے پادریوں اور عمائدین شہر کو بلا کر کہا ہم نے تم سے اس لئے مال وصول کیا تھا کہ اس کو تمہاری حفاظت و اصلاح پر خرچ کرینگے چونکہ ہمیں یہ شہر مجبوراً چھوڑنا پڑا اس لئے اپنا مال (سات لاکھ درہم) واپس لے لو۔ مسلمانوں کے اس حیرت انگیز عمل ورجہاں افروز عدل کو دیکھ کر سب سے بڑے پادری نے کہا عدل وانصاف کا کوئی کارنامہ آپکے اس شاہکار سے عظیم تر نہیں ہوسکتا۔ یسوع کی قسم، اگر کسی وقت ہمیں اپنا فرماں بردار خود منتخب کرنے کی ضرورت وآزادی نصیب ہوگی تو ہم صرف تمہیں اپنا والی بنائیں گے !

اور بے شمار حدیثیں اسکی فضیلت میں وارد ہوی ہیں۔

جنگ جدال کے بعد جب فاتح کی فوج کسی شہر میں داخل ہوی ہے تو اس فتح وکامرانی ونصرت کے نشے ہمیشہ فوجوں نے دست ستم دراز کیا ہے اور مفتوح اسکے نشے میں ہوا وہوس کی شکار ہوتی ہے، اس کے برخلاف اسلام سلوک کا اندازہ یوں بتاتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰیٓ اَنْ تَعْدِلُوْا (نساء) اے اہل ایمان انصاف پر ڈٹ جاؤ اور کسی جذبہ کا شکار ہو کر بے انصافی مت کرو۔

ایسے ہی ایک جگہ یوں فرماتا ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۵

اے ایمان والو! تم اللہ کی راہوں پر ثابت قدم رہو، اور انصاف کی تبلیغ کرو کسی قوم کی عداوت کی وجہ سے بے انصافی مت کرو اور ہر حال میں انصاف کرو کہ تمہارا بچاؤ (تقوےٰ) انصاف ہی میں ہے۔ اسلام کا مقصد قیام امن ہے جو انصاف کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے قرآن شاہد ہے:۔

اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ۵ ترجمہ تم معاملات کا فیصلہ کرنے لگو، تو ہر حال میں انصاف پر کرنے لگو۔ مقولہ ہے کہ:۔

ثبات الملک بالعدل

تمت

سید محمد اسحٰق زمرۂ خامسہ
مدرسۂ لطیفیہ حضرت مکان قطب ویلور

صبر کی فضیلت

از محمد ابوبکر ملیباری
زمرۂ خامسہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان قطب ویلور

اس دنیا میں آدمیوں کو مصیبتوں اور مشقتوں کے وقت بھی آتے ہیں کبھی بیماری آتی ہے اور کبھی محتاجی آتی ہے۔ کبھی ظالم دشمن ستاتے ہیں اور کبھی کسی اور طرح حالات ناموافق ہو جاتے ہیں۔ پس ایسے موقعوں کے لئے اسلام کی خاص تعلیم یہ ہے کہ اللہ کے بندے صبر سے کام لیں اور اگر انسان ہزاروں تکالیف اور مصیبتوں کے باوجود صبر کے ساتھ اپنے اصول پر قائم رہے تو وہ ضرور بضرور اس تکلیف کا پھل پائے گا۔ صابرین کے لیے قرآن کی خوشخبری ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ یعنی بے شک اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اور صبر وہ ایک ایسا زیور ہے جس سے آراستہ ہو جانے کے بعد وہ یقیناً انسان کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبر اللہ کی سب نعمتوں میں سے بہتر نعمت ہے اور صبر انسان کی مادّی اور روحانی قوتوں کو سنوارنے کا پورا پورا ضامن ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، موقوفاً ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ صبر آدھا ایمان ہے۔ صبر انسان کی مشکلات کا واحد حل ہے اور صبر انسان کی روح کو ایسا سنوارتا ہے جیسا کہ باغبان اپنے خوبصورت چمن کو حسین ترین پھولوں سے سنوارتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ النصر مع الصبر یعنے اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے۔ اور ایک جگہ حدیث میں وارد ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ الصبر مفتاح الفرج یعنی صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

ایک واقعہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر تنہا تھے یعنے کوہ صفا پر تھے تو ابوجہل نے سمجھا کہ یہی ایک ایسا موقع ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دے سکے۔ چنانچہ اس نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو پتھر پھینک کر مارا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش اٹھکر چلے گئے۔ اس واقعہ کو ایک لونڈی دیکھی۔ اس نے حضرت حمزہ کو جاکر اسکی اطلاع دی کہ اے ابن عمارہ تم یہاں خوشیاں منا رہے ہو اور وہاں ابوجہل تمہارے بھتیجے کو ایذا دے رہا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، ابوجہل کی طرف گئے اور اسکو اپنے کمان سے ایسا مارا کہ سر پھٹ گیا اور وہ خون میں نہا گیا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہو گئے۔ یہ بھی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صبر کا ہی نتیجہ تھا۔ جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، داخل اسلام ہوئے

مصائب کے وقت انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی مصیبتوں کو چھپائے اور واویلا نہ مچائے بلکہ بارگاہ الٰہی میں اسکے دور ہونے کی دعائیں کرے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ جس فقیر

کے اندر صبر نہ پایا جائے اسکی مثال اس درخت کی ہے جس میں بالکل پھل نہ لگتا ہو مشقتوں اور حق کے لئے جنگ کرنے کی حالت میں صابر ہو کر ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے متقین سے شمار فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن ناطق ہے وَالصّابِرِینَ فی البأساء والضراء وحین البأس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون یعنے وہ لوگ جو سختی اور تکالیف اور جنگ کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں، وہ ہیں جو سچے ہیں اور متقی ہیں۔ حصولِ مقاصد میں مصائب و تکالیف کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر وہ صحیح معنے میں گوہرِ مقصود کا طالب ہے تو وہ صبر سے کام لے۔ اس لئے کہ بزدلی سے ہمیشہ ناکامی اور نامرادی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے کہ جب انسان کسی مشکل میں صبر کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالےٰ اس پر کشادگی فرماتا ہے اور بے حساب اس کا اجر اُسے عطا کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

انما یوفی الصّابرون اجرھم بغیر حساب

یعنی صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے شمار ملیگا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے .... صبر کرو یقیناً اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا ہے۔ صبر کی فضیلت کے بارے میں حضرت علی ارشاد فرماتے ہیں کہ الصّبر ھو الایمان کلہ یعنے صبر پورا ایمان ہے۔ حدیث میں آیا ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں من افضل ما اوتیتم الیقین وعزیمۃ الصبر یعنے بہترین جو چیز تم کو دی گئی وہ یقین اور عزیمت صبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے استعانت بالصبر کا حکم دیا ہے۔ واستعینوا بالصّبر والصّلوٰۃ۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو صابرین سے ایک حصہ عنایت فرمائے۔ آمین

محمد ابوبکر ملیبار
متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان قطب ویلور

بقیہ صـ ۸۲

دن آپ اپنے کاندھوں پر کپڑے کے تھان رکھ کر بازار کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ جب حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما نے آپ سے پوچھا اے صدیق اکبرؓ کدھر جا رہے ہو۔ تو آپ نے جواب دیا، اپنے بال بچوں کا فکر معاش کرنے بازار جارہا ہوں۔

نتیجہ یہی نکلا کہ اللہ کی ذات سے امید باندھے ہوئے اسباب کو شرعی طور پہ لازماً اختیار کرلے تاکہ اسکی عطاء کی حقیقی لذت کو پاسکے۔ فقط

اسلام اور دورِ جدید

از مولوی رفیق احمد فہمی مالوری زمرۂ سابعہ متعلم دار العلوم لطیفیہ ویلور

اسلام میں ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جس کا دعویٰ ہر زمانہ میں دنیا والوں کے ساتھ دینے کا ہے اور دیتا رہا ہے اور مسئلہ زندگی کو نہایت ہی بہتر طریقہ سے حل کرنے کا کوشاں رہا ہے، اگرچہ ہمیشہ اسکے مخالفین نے ہیر گرد ڈالنے کی کوششیں کی ہیں، اور اس کو ناکارہ ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے، اور ہمیشہ کہتے رہے ہیں کہ اسلام کے اندر دقیانوسیت پائی جاتی ہے، اور یہ ترقی یافتہ دَور کا ہرگز ساتھ نہیں دے سکتا ہے۔ خاص کر اس سائنسی دَور کا جب کہ انسان ہر شئی کو سائنسی آنکھوں سے معائنہ کرنا چاہتا ہے اور اسی وجہ سے بہت سے اسلام کے ماننے والے اس کے فریب میں آکر اسلام کی خوبیوں کے منکر ہو بیٹھے۔ حالانکہ اس کو حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ حالانکہ ان کی ان قیاس آرائیوں کو اسلام سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ ماہرین نفسیات کو اسپر اتفاق ہے کہ وہ قوم جو راہِ ترقی سے ہٹ چکی ہے، اگر اس قوم کے اصول وضوابط کے نقائص ان کی پس ماندگی کا سبب بتا دیا جائے تو بہت جلد وہ قوم اپنے اصول کو چھوڑ کر غیر کے اصول اپنا لیگی۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ سے مایوس ومجبور ہو کر غیروں کا سہارا لیکر جینا چاہتی ہے لیکن اصول اسلام اہل نفسیات کے ان تخیلات سے ماوریٰ ہے۔ نقائص انہی اصولوں میں نکالا جاسکتا ہے جو انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ تصویر اسلام اس سے کہیں بالاتر ہیں۔ غیروں کا مسلمانوں کی پسماندگی دیکھ کر نقائصِ اسلام ثابت کرنا بالکل درست نہیں۔ مخالفین اسلام کا یہ کہنا کہ جب ترکستان میں مسلمان بادشاہ حکمران ہوئے اور وہ ایک زمانہ تک حکمران رہے، اس کے باوجود ترکستان پس ماندگی اور غیر ترقی یافتہ رہا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہاں صرف ضابطۂ اسلام کو اپنانے کی کوشش کی گئی۔ جسکے نتیجہ میں حکومت ترکی پستی میں گرتی چلی گئی۔ لیکن ان کا ترک کے زوال کا سبب اصول اسلام کو قرار دینا سراسر الزام اور بے بنیاد ہے۔

اسلام نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو راہ ترقی ہی دکھائی ہے۔ اسکے نزدیک زوال کا تصور ناقابل قبول ہے۔ چنانچہ اسپین کی تاریخ بتاتی ہے کہ اسپین پر جب مسلمانوں کی حکومت تھی تو اسلام ہی نے تہذیب وتمدن کے حقیقی معیار کو پیش کیا۔ اور جسکی خوبیوں کو دیکھکر یورپ نے بھی تیزی سے اپنانا شروع کیا۔ مسلمانوں کے دور حکومت میں اسپین کے اندر اسکی سڑکیں گلیاں نہایت پاکیزہ اور ستھری نظر آرہی تھیں۔ وہاں کے لوگ بہت ہی پاکیزہ رہتے۔ شہر کی غلاظتیں شہر سے دور پھینکی جاتی مسلمانوں نے ایک اعلیٰ تمدنی زندگی کا انہیں درس دیا۔ اسکے برعکس مغربی ممالک کا یہ حال تھا کہ وہاں کے لوگ نہایت گندہ لباس میں ملبوس ہوتے اور ان میں ذرہ برابر بھی پاکی کی بو باس نہ تھی، اور انکے

مکانات، ان کی رہائش گاہیں پاکی اور صفائی سے کوسوں دور۔ بڑے بڑے عیسائی رؤسا کا حال بھی یہی تھا اور ان کے مکانات بھی نجاست و غلاظت سے بھرپور خود عیسائی اہل قلم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے، کہ اسپین میں مسلمان قوم صاف ستھری رہتی تھی۔ ان کے مکانات بھی آئینہ کی طرح صاف ہوتے تھے۔ اسپین کی گلیوں اور کوچوں میں کوڑہ کرکٹ کا نام و نشان تک نہ ہوتا تھا۔ اور جب رات ہوتی تو تمام شہر روشنی سے جگمگا جاتے تھے۔ اس کے برعکس ہمارے شہروں کی سڑکیں گندگی، کوڑا و کرکٹ کے انبار مکانوں کے سامنے لگے ہوتے اور سورج چھپنے کے بعد سارا شہر تاریک ہوتا۔ اس لئے کہ وہاں روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔

ہر تاریخ داں پر یہ بات واضح ہے کہ مغربی ممالک کے لوگوں کے لباس پہننے کا ڈھنگ کیا تھا۔ حیوانات کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ درختوں کی پتیاں اور جنگلی چھالوں کو جسم پر لپیٹ لیا کرتے تھے۔ جب صلاح الدین ایوبی وہاں پہنچا تو اس نے انہیں لباس پہننے اور تہذیبی و تمدنی زندگی کے صحیح طریقے ان کو بتائے۔

تاریخ نے ہمیشہ فیصلہ کیا ہے اور کرتی رہیگی کہ اسلام نے ہر دور میں جب بھی قوم اسکے دامن سے لپٹی اسکو راہ ترقی دکھایا ہے اور اس کا لائحۂ عمل انسانی زندگی کے لئے حامی و مددگار رہا ہے۔ تمام مفکرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسانی زندگی کے پانچ ایسے گوشے ہیں جن میں اگر اسکی صحیح رہنمائی کی جائے تو انسان ہر دور میں ترقی کر سکتا ہے۔ اور تمام ہلاکتوں اور بربادیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ وہ پانچ گوشے یہ ہیں سیاسی برتری تہذیب معیار، معاشی زندگی، اقتصادی زندگی، خارجی اور داخلی زندگی، اور اسلام نے ان پانچوں گوشوں کو آج سے تیرہ سو سال پہلے پوری طرح حل کر دیا ہے اور اس نے ہر شعبے میں انسان کی صحیح رہنمائی کی ہے۔ اس طرح کسی اور مذہب نے نہیں کی۔ اور یقیناً آج بھی پیچیدہ دور میں بھی اسکے پاس صحیح حل موجود ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس کا صحیح متلاشی ہو۔

آج جتنی بھی دشواریاں اہل عالم کے سامنے ہیں ان تمام دشواریوں کا حل صرف اسلام ہی کے اصول سے ہو سکتا ہے۔ یہ دعویٰ ہمارا ہی نہیں بلکہ معاندین اسلام نے خود اس کا اعتراف کیا ہے اور اسلام کے تہذیبی تمدنی غرض کے ہر گوشہ زندگی کے حل شدہ اصول کو اعلیٰ اور برتر تسلیم کیا ہے۔ اور آج بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

آخر میں اس دامن اسلام میں پناہ لینے والی قوم سے یہی کہینگے کہ اسلام کے دامن میں رہ کر غیروں کے اصول کو باعث ترقی سمجھنا اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسے ہیرے کے بدلے سنگریزے کا خریدنا۔

اس لئے کہ انسان کے بنائے ہوئے اصول کبھی نجات دہندہ اور کامیاب ثابت نہ ہوئے ہیں اور نہ ہونگے۔

پسندیدہ اشعار

از سید مرتضیٰ حسین صاحب جہانگیر ویلوری
متعلم زمرۂ ثانیہ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں
غالب

اسکی دزدیدہ نگاہی کے نثار
آج ہی آغاز کا انجام ہے
(سید سلیمان ندوی)

کس آذرانہ سحر کا مالک ہے، دست فکر
جس حرف کو چھوا اسے رشک صنم کیا
(صہبا اختر)

ہم ایسے نور کے عالم سے گذرے ہیں جہاں اجمل
ملک آگے بڑھے تو بال و پر کو آگ لگجائے
اجمل

آخری شب زحمت درد فراواں ہے تو کیا
اٹھنے والی ہے نگار صبح داماں کی نقاب
(نامعلوم)

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون!
اقبال

دیکھنا ہو تو نگاہ شوق بن
ہر سو اسکی بارگاہ عام ہے
سید سلیمان ندوی

چمن کے پھول تو عادی ہیں مسکرانے کے
وہ شاخ گل پہ رہیں یا کسی کی میت پر
نذیر

وہ آئے بہر عیادت تو تھا میں شادی مرگ
کسی سے چارۂ بیداد آسماں نہ ہوا
مومن

ہے بہت پرشور طوفان فریب رنگ و بو
میرے صحرا کی حدوں سے دور گلخانوں کے پاس
سیماب

ستم ہے او بدنصیب مالی کہ تونے اپنک صلہ نہ پایا
کہاں زمین چمن کی مٹی ترے پسینہ سے تر نہیں ہے
(شفیق جونپوری)

وہ مہرباں نہیں نہ سہی ملتفت تو ہیں
انکا ستم بھی انکی عنایت سے کم نہیں
جوش

فضیلت توکل

از
مولوی سید عظمت اللہ رہبر لطیفی میسوری
درجۂ سابعہ

توکل کے لغوی معنی کسی پر بھروسہ کرنا ہیں۔ شریعت میں توکل کے معنے یہ ہیں کہ بندہ کسی کام کے سلسلہ میں اس کے اسباب ظاہری شرعی کو عمل میں لاکر نتائج کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردے اور اسکی کارسازی و حاجت برآری پر پورا اعتماد کرے۔ جب کوئی انسان اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو وہ اپنے آخری دم تک توکل ہی کیا کرتا ہے۔ مثلاً کوئی اپنی طاقت بازو پر توکل کرتا ہے، کوئی اپنے مال و دولت پر۔ کوئی عیش و عشرت پر، کوئی اپنے ماں باپ پر، کوئی استاد پر۔ کوئی پیر و مرشد پر، کوئی دنیا اور دنیا کے کارسازوں پر۔ کوئی اپنے نفس پر، اور کوئی عقبیٰ کی زندگی پر۔ غرضکہ لغتہً ان پر توکل کا اطلاق تو ہو سکتا ہے لیکن حقیقتہً و اصطلاحاً یہ متوکل نہیں ہو سکتے۔ ان کا شمار متوکلین میں اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان تمام کو اسباب قرار دے کر وہ وکیل صرف اللہ کو قرار دے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ توکل حوالِ دل میں سے ایک حالت ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے وکیل (خداوندِ تعالیٰ) پر دلی اعتقاد رکھے اور اس کی کارسازی پر پوری طرح مطمئن ہو۔ اور اسباب ظاہر کے شکستہ ہو جانے سے دل شکستہ نہ ہو۔

قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے، وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں آپ کا دستور العمل یہ ہونا چاہئے کہ آپ صحابۂ کرام سے مشورہ کے بعد جب آپ کسی بات کا عزم کرلیں تو بس اللہ پر بھروسہ کیجئے بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

ابن کثیر رحؒ نے حضرت علی رضؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ عزم کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ مشاورت اہل الرائے ثم اتباعھم۔ اہل الرائے سے مشورہ کرنے کے بعد اس کی پیروی کرنا اور ان کی رائے پر عمل کرنا۔

ایک دوسری جگہ قرآن مسلمانوں سے یوں مخاطب ہے إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (آل عمران ع ۱۷) اے مسلمانو! اگر خدائے تعالیٰ تمہاری مدد کریگا تو پھر کوئی بھی تم پر غلبہ پانے والا نہ ہوگا۔ اور اگر تم کو چھوڑ دے تو پھر اسکے بعد کون تمہاری مدد کرے گا۔ اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر توکل کرے۔ توکل کرنے والوں کی طرح۔

علامہ عبدہ نے آیتہ بالا کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کسی کام کا عزم اگرچہ غور و فکر رائے و مشورہ اور ساز و سامان کے بعد ہو تاہم یہ کامیابی کی ضمانت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق بہرحال درکار ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کچھ خارجی موانع

اور عوائق پیدا ہو جائیں اور وہ کام پورا نہ ہوسکے۔ اس لئے مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرے اور اسکی طاقت ورحمت پر اعتماد کرے۔ توکل کے متعلق کثیر احادیث وارد ہوئیں، صحاح کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے، تو اللہ تمہیں اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے، کہ صبح کو خالی پیٹ گھونسلوں سے نکلتے ہیں، اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس آتے ہیں)۔

بعض سطحی النظر یہ سوچ سکتے ہیں کہ پرندوں کی طرح مفت روزی ملیگی۔ حالانکہ مضمون حدیث اسپر بالکل دال نہیں ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی توکل یہ ہے کہ اس میں اسباب ظاہری کو ترک نہ کیا جائے، کیونکہ اس میں پرندوں کو رزق دینے کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ صبح کو آشیانوں سے خالی پیٹ جاتے ہیں، اور شام کو پیٹ بھر کے واپس لوٹتے ہیں۔ یہ نہیں کہا گیا کہ وہ اپنے آشیانوں میں پڑے رہتے ہیں اور انکا رزق آسمان سے برس جاتا ہے۔

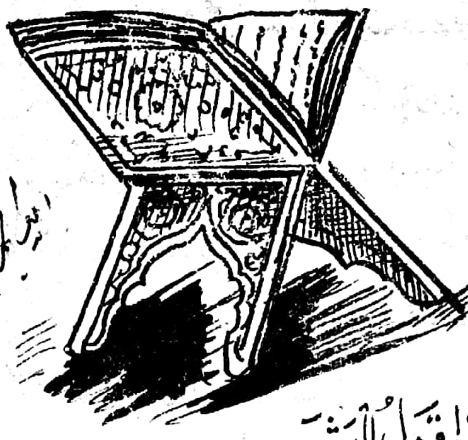
بعض لوگوں کا خیال ہے، توکل یہ ہے کہ آدمی اسباب کو ترک کردے اور ہاتھ پاؤں جوڑ کر بیٹھ جائے، یہ توکل نہیں تعطل ہے اور نظام عالم میں سنت اللہ کی خلاف ورزی ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی بھوکا شخص سامنے رکھے ہوئے کھانے کو منہ میں ڈالے اور یہ سوچے کہ خود بخود حلق میں چلا جائے گا۔ یا اولاد کا خواہشمند شادی نہ کرے اور یہ گمان کرے کہ بغیر ازدواجی زندگی کے اولاد ہو جائے گی، تو اس کا یہ خیال حماقت اور دیوانگی سے تعبیر کیا جائے گا۔ بہرحال توکل عمل کے منافی نہیں ہے۔ توکل کا تعلق قلب سے اور عمل کا اعضاء و جوارح سے اور دونو اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ ؎

رضا بداده وز جبین گره بکشائے
کہ برمن وتو درِ اختیار نکشادست،

ایک شخص امام احمدؒ سے کہا کہ میں متوکل بن کر حج کرنا چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا۔ تو قافلہ کے ساتھ نہ جانا۔ انہوں نے جواب دیا، یہ تو مشکل ہے۔ حضرت امامؒ نے فرمایا تمہارا توکل اللہ پر نہیں بلکہ دوسرے کے توشہ دانوں پر ہے۔ ایک مومن کی شان یہ نہیں، وہ ذات الٰہی پہ اسکی قادریت پر ایمان رکھے اور اسباب دنیا میں پھنسکر اسکی عطاء کو بھول جائے۔ امام ترمذی انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ میں اپنی اونٹنی کو باندھ دوں یا کھلا چھوڑ کر توکل کروں۔ حضورؐ نے جواب دیا اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ باندھ دو اور پھر اللہ پر توکل و بھروسہ کرو

ان آیات واحادیث سے کلی طور پر واضح ہو رہا ہے کہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ اسباب کو اختیار کرتے ہوئے مسبب پر اس کے نتائج اور حصول مقصود کا کامل بھروسہ کرے، اگر اسباب لایعنی اور بے ضرورت شئے ہوتی تو یقیناً خالق کائنات اسکی تخلیق نہ فرماتا۔ اور بلا اسباب ہر چیز عطا فرما دیتا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر متوکل علی اللہ کون ہوگا۔ تاہم مسند خلافت پر متمکن ہونے کے دوسرے ہی



فضائل قرآن

از محمد مصطفےٰ خلیفہ بھٹکلی، ابتدائے دوم

لائقِ حمد وثنا ہے وہ ذاتِ پاک جس نے بنی نوعِ انسان کی ہستی کو عظمت سے سرفراز کیا۔ اور اشرف المخلوقات سے ملقب کیا۔ اور ان کی راہِ ہدایت کیلئے ہر زمانے کے لحاظ سے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا۔ اور ان میں سے بعضوں کو صحیفے اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اللہ کے بتلائے ہوئے احکام لوگوں کو سنائیں۔ اور ان پر عمل کی ترغیب دلائیں اور آخر اپنے محبوب رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو جامع ترین کتاب قرآن حکیم کے ساتھ مبعوث فرمایا اور جسکو تمام کتب سماویہ پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ تمام کتب کے مضمون کا محیط ہے۔

قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چونکہ اس کو اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جاتا ہے اور بتدریج بھی نازل ہوا۔ اسکے اور معنی جمع کرنے کے بھی آتے ہیں۔ کیونکہ اس مقدس کتاب میں تمام ضروری علوم ومسائل جمع ہیں اور تمامی آسمانی کتابکے اصولِ ثابتہ کو اس میں محفوظ کردیا گیا ہے۔ لہٰذا اسے قرآن کہا گیا۔ اس میں جو احکام اور قانون ہے وہ سب اٹل ہیں۔ اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی اور ترمیم وتنسیخ کی گنجائش نہیں۔ اس جیسی جامع ومانع کتاب کوئی نہیں پیش کرسکتا ہے اور نہ آئندہ پیش کرسکے گا۔ بڑے بڑے فصحاء وبلغائے عرب اسکی نظیر پیش کرنے سے ہمیشہ عاجز رہے اور ان کو کہنا پڑا کہ مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ۔

اہل قریش قرآن کے کلام اللہ ہونے پر شک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کلام اللہ نہیں ہوسکتا۔ یہ تو گھڑ کر لائے ہیں تو ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (ترجمہ) اگر تم کو ہمارے بندے پر نازل کی ہوئی چیز کے حق ہونے اور آسمانی ہونے میں شک ہے تو اس کی کسی ایک آیت کے مثل بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا مددگاروں کو بھی بلالو، اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔

ارشاد باری تعالےٰ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (ترجمہ) وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور جس میں بالکل درست وصحیح قانون ہدایت بندوں کے لئے موجود ہیں۔ جس کے حرف میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

قرآن کریم کے وصف اور اعجاز کرشمہ کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے دشمن بھی سرنگوں ہوگئے۔ جیسا کہ طفیل بن عمر دوسی ایک مشہور فلسفی اور عقلمند آدمی تھا۔ جب وہ کسی کام کے لئے مکہ معظمہ میں گیا، تو اہل قریش اس خیال سے کہ کہیں قرآن کا جادو اس پر نہ چل جائے پاس آئے اور کہنے لگے بھائی۔ محمدؐ سے بچے رہنا۔ وہ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے،

اگر تمہیں کسی حالت میں بھی اسلام کی دعوت دے تو قبول نہیں کرنا اور قرآن بھی نہیں سننا۔ اتنی تاکید کے باوجود اور اتنا ڈرانے کے باوجود کچھ نہ ہوسکا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ باہر جاتے وقت مسجد میں سے قرأت کی آواز آئی۔ کھڑا ہو کر سننے لگا۔ یہاں تک کہ بالکل محویت طاری ہوگئی اور اس کا اثر اتنا ہوا کہ حضورؐ کے پاس جا کر ایمان لے آیا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام بھی قرآن کا ہی اعجاز تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر لینے آئے تھے، بڑے زور سے شمشیر بکف ہوکر، اسلام کا صفایا کرنے چلے آئے تھے۔ مگر جب قرآن مقدس کی دلکش آواز کانوں میں پہنچی بے تابانہ بول اٹھے مَا اَحْسَنَ هٰذَا الْكَلَامُ وَاَكْرَمَهٗ (ترجمہ) یہ کس قدر بہتر اور محترم کلام ہے۔ اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگئے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یہ طفیل بن عمر دوسی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہی منحصر نہیں، بلکہ اسلام کی تاریخ میں بہت سی ایسی پاک اور مقدس ہستیاں ملیں گی، جو قرآنی اعجاز کا شکار ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

قرآن پاک کی تلاوت کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے اور اسکی فضیلت کے بارے میں کئی حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِيْمٌ حَرْفٌ۔

(ترجمہ) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے، اس کیلئے اس حرف کے عوض ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف لام ایک حرف میم ایک حرف ہے۔

جیسے اور جملہ اعمال میں پورا عمل ایک شمار کیا جاتا ہے، تلاوت قرآن مجید میں ایسے نہیں بلکہ جزء عمل میں پورا عمل ایک شمار کیا جاتا ہے۔ اسی لئے تلاوت کلام پاک میں ہر حرف ایک ایک نیکی شمار کی جاتی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی اتنی فضیلت ہے کہ اس کے پڑھنے والے کے والدین کے سر پہ تاج پہنایا جائے گا۔ اور اسکی روشنی آفتاب سے زیادہ روشن ہوگی اور بے حد روشنی والا ہوگا جبکہ پڑھنے والے کے والدین کے لئے یہ ذخیرہ ہے تو خود پڑھنے والے کے اجر کا خود اندازہ لگا کر دیکھیں کہ کتنا ہوگا۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب لوگ خدا کے گھر میں جمع ہوکر قرآن پڑھتے ہیں یا پڑھاتے ہیں تو ضرور ان پر خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ ان کو رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے۔ فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا تذکرہ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنا گویا صدقہ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ تین اشیاء ہیں جو حافظہ کو بڑھاتی ہیں۔ اول مسواک، دوم روزہ۔ سوم تلاوت کریم۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (ترجمہ) فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے بہتر ہے وہ شخص جو قرآن شریف سیکھے اور سکھائے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآن پاک کی تلاوت میں غور و فکر کرو کہ اس میں اولین و آخرین کا علم ہے۔ دنیا کا کوئی علم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ

وَتَعَالٰی مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ (ترجمہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہٗ تقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن مجید میں مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی ہے اسکو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق سبحانہٗ کو تمام مخلوق پر)۔

یعنی جس شخص کو قرآن پاک کے یاد کرنے یا جاننے اور سمجھنے میں اسقدر مشغولی ہے کہ کسی دوسری دعا وغیرہ مانگنے کا وقت نہیں ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو سب سے زیادہ عطا فرمائے گا۔ تمت

والدین کے حقوق

از سید شبیر احمد پلپنیری
(زمرۂ ثانیہ) متعلم مدرسۂ لطیفیہ مکان حضرت قطبؒ ویلور۔

اللہ تعالےٰ نے ماں باپ کے درجہ کو بہت زیادہ بلند فرمایا ہے۔ ماں باپ کے احسانات اور ان کے رحم وکرم کا معاملہ جو اولاد کے ساتھ ہے لازماً ماننا پڑیگا کہ اولاد والدین کے احسانات کو کماحقہٗ بدل ادا نہیں کرسکتی ہے۔ قرآن والدین کے حقوق کو اس طرح اولاد پر ظاہر کررہا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

(ترجمہ) تیرے رب نے حتمی حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت اور بندگی نہ کرو، والدین کے ساتھ اچھائی کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو اُف بھی نہ کہو اور خفگی کی بات نہ کرو۔ ان سے ادب تمیز سے بولو اور خاکساری و نیازمندی کے ساتھ ان کی اطاعت کرو اور ان کے حق میں خدا سے اس طرح دعا بھی کرتے رہو کہ اے پروردگار تو ان پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں پالا اور پرورش کیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لئے ہر حال میں یہ لازم ہے کہ وہ والدین کی رضاجوئی کریں اور ہمہ وقت ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہیں اور ہرگز ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دیں۔ دولت عزت حشمت وشوکت غرضیکہ دنیا میں سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں لیکن والدین کی سرپرستی اور ان کی محبت وشفقت کھو جانے کے بعد پھر دوبارہ پانا ممکن نہیں۔ والدین کی شفقت ومہربانی کا اندازہ فرمائیے کہ پیدا ہونے کے بعد سے لیکر سن بلوغ تک کتنی جانفشانیوں سے اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں اور کس قیمت پر۔ اگرچہ اولاد جوان ہوجائے ان کی تکلیف نہیں دیکھنا چاہتے اور اپنے سے بڑھکر ان کی جان کی حفاظت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت عالم کی تمام چیزوں سے بڑھکر ہے۔ خالق کائنات اپنے بندوں کو والدین کے ساتھ اخلاق حمیدہ اور نرم گفتاری کا قولاً حکم صادر فرمایا ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا [illegible] والدین کے رتبہ کا اس حدیث سے

کیجئے کہ ابو عامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا ماں باپ کا حق اولاد پر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ (حدیث) تحقیق کہ جنت تمہارے ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اس حدیث سے مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کی فرماں برداری دخل جنت کا ذریعہ ہے۔ ان کی نافرمانی کرنا ان کو ستانا ان کو رسوا کرنا دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے۔ ان کی اطاعت میں دین و دنیا کا آرام اور نافرمانی میں دارین کی تکلیف کا سبب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تین شخص راستے میں چل رہے تھے، بارش ہونے لگی تو پہاڑ کے غار میں چلے گئے۔ اتفاقاً غار کے منہ پر پہاڑ کا ایک بڑا پتھر گر پڑا اور جب وہ لوگ ہٹانے سے عاجز آ گئے تو ان لوگوں نے آپس میں یہ کہا کہ ہم لوگ کسی اپنے نیک عمل کو یاد کریں جسکو خدا کی رضا کے لئے کیا ہو اور اس کے واسطہ سے اللہ سے دعا کریں کہ شاید خدا اس کی برکت سے اس پتھر کو ہٹا دے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ خداوندا میرے والدین سن رسیدہ تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے کہ میں ان کی خبر گیری کیا اور دیکھ بھال کرتا تھا۔ جب میں اپنے جانوروں کو چرا کر شام کے وقت واپس آتا تو میں ان کا دودھ دوہ کر اپنے بچوں سے پہلے والدین کو پلاتا۔ ایک دفعہ مجھ کو واپس آنے میں دیر ہوگئی۔ میں شام کو آیا تو ان کو سوتا ہوا پایا۔ دودھ میں نے معمول کے مطابق دوہا، اور دودھ کا پیالہ ان کی خدمت میں لیکر حاضر ہوا۔ چونکہ وہ سو رہے تھے اس لئے میں ان کو جگانا بھی مناسب نہ سمجھا اور یہ بات بھی پسند نہ آئی کہ میں والدین سے پہلے بچوں کو پلادوں حالانکہ بچے بھوک سے رو رہے تھے۔ اس طرح میں دودھ لیکر کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اے خدا میں نے یہ کام محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اس عمل کی برکت سے اس پتھر کو ہٹا دے۔ غرض کہ ہر ایک اسی طرح اپنی عملوں کا واسطہ دیکر دعا کی اور پتھر ہٹانے سے اللہ کے فضل سے ہٹ گیا اور وہ لوگ صحیح و سالم نکل آئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ والدین کی رضامندی میں خدا کی رضامندی ہے اور والدین کی ناراضی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ والدین کی خدمت اور اطاعت کرنے والا لڑکا ہو یا لڑکی جتنی دفعہ بھی محبت اور عظمت کی نگاہ سے ماں باپ کی طرف نگاہ کرے تو خدا اس کو ہر دفعہ کے دیکھنے کے بدلے میں ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کئے یا رسول اللہ اگر وہ روزانہ سو دفعہ دیکھے جب بھی ہر دفعہ دیکھنے کے بدلے میں ایک مقبول حج کا ثواب دیا جائیگا۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں! اللہ بہت بڑا ہے اور بہت پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے یہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ جس عمل پر جتنا ثواب دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضورؐ نے صحابہ کرام کو فرمایا، نافرمانی والدین بھی گناہ کبیرہ سے ہے۔ ایک اور حدیث میں کہ حضورؐ نے فرمایا تین قسم کے آدمی ہیں جن کی طرف قیامت کے دن خدائے تعالیٰ رحمت کی نظر سے نہیں دیکھیگا ان میں سے ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو ماں باپ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ خدا اور رسول کے بعد والدین کی اطاعت کرنا لازمی ہے۔ ان کی رضا کے بغیر اور ان کے ساتھ نیک سلوک کے بغیر خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ ان کی اطاعت اور فرماں برداری کا بہترین ثبوت پیش کریں۔ دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو والدین کی اطاعت کی نیک توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

لیلۃ القدر کی فضیلت

از
بی۔ ھج۔ محمد خواجہ حسامین
کانجی ورم
دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان ویلور

عیاں اس رات میں تنویرِ ذات ہوتی ہے

رمضان المبارک کے مہینے میں ایک ایسی رات ہے جسکی بہت ہی فضیلت اور برکت ہے۔ اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ یوں تو رمضان المبارک کے مہینے میں بہت ہی فضیلتیں اور برکتیں ہیں۔ لیکن اس مہینے کی بے انتہا فضیلتوں اور برکتوں میں سے ایک سب سے بڑی فضیلت و برکت لیلۃ القدر ہے۔ یہ اس مہینے کی تمام مقدس راتوں میں سے ایک ایسی بابرکت رات ہے، جو ہزار مہینوں کی راتوں سے افضل ہے۔ اغلب رائے یہ ہے کہ یہ رات رمضان کی ستائیسویں شب میں واقع ہوتی ہے۔ اس رات کو شام سے لیکر صبح تک تجلی الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اس رات میں عبادت کرنا ایک ہزار مہینوں کی عبادت و ریاضت سے افضل ہے۔ اسی رات کی عبادت سے جو حلاوت اور کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ دوسری راتوں میں حاصل نہیں ہوتی۔ یہ ایسی بابرکت رات ہے کہ اسی رات میں فرشتوں کی پیدائش ہوئی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا مادہ جمع کیا گیا اور سب سے بڑی فضیلت اس شب کی یہ ہے کہ نزول قرآن شریف اسی شب مبارک میں ہوا ہے اور جو عمل اس شب میں کیا جائے اس کا اجر ہزار ماہ کے عمل کے برابر ہے۔ نیز نزول ملائکہ اسی شب مبارک میں ہوتا ہے۔ اسی رات میں رات کو بیدار رہنا بڑا ثواب ہے۔ اس رات میں جو جاگتا ہے اور عبادت میں مصروف رہتا ہے اسکے پاس فرشتے آتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں اور اسکے لئے دعا مانگتے ہیں، اور دعا مانگتے وقت آمین کہتے ہیں۔ پھر کیوں نہ اسی رات میں ہر دُعا مقبول ہوگی اور کیوں اس مبارک رات کو غفلت کی نیند میں کھویا جائے اللہ تعالیٰ اس رات کی فضیلت کو اپنے کلام میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے

مبارک رات یہ گویا خدائی رات ہوتی ہے۔

کہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادرٰک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلٰم ھی حتی مطلع الفجر

(ترجمہ) قرآن شریف کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا ہے اور تمہیں شب قدر کا مرتبہ کیا معلوم۔ شب قدر تو ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس شب مبارک میں مقدس فرشتے اور روح الامین (جبرئیل علیہ السلام) اپنے پروردگار کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور یہ شب طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

بزرگان دین نے فرشتوں کے مصافحہ کرنے کی یہ علامت لکھی ہے کہ جس وقت فرشتے مصافحہ کرتے ہیں تو یکایک وہ چونک اٹھتے ہیں دل میں ایک رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ قلب زور سے دھڑکنے لگتا ہے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور عابد کو وہ لذت و سرور حاصل ہوتی ہے، جو لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی

عن انس رضی اللہ عنہ بن مالک قال دخل رمضان فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا شھر قد حضرکم وفیہ لیلۃ خیر من الف شھر من حرمھا فقد حرم الخیر کلہ وما یحرم خیرھا الا محروم۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کا مہینہ آگیا ہے اور اس ماہ مبارک میں ایک شب ایسی ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو اللہ رب العزۃ حضرت جبرئیل امین کو حکم دیتا ہے کہ وہ زمین پر جائیں اور فرشتوں کو



فضائل درود شریف

از محمد عظمۃ اللہ کینجی
زمرۂ خامسہ متعلم دارالعلوم
لطیفیہ ویلور

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود و سلام بھیجا کرو! اللہ تعالیٰ ہم کو اس آیت میں صلوٰۃ و سلام دونوں کا حکم فرمایا ہے۔

صلوٰۃ کے لغوی معنی مطلق دعا کے ہیں جب صلوٰۃ کو خدا کی جانب منسوب کرینگے تو اس سے مراد استغفار ہوگا اور جب مومنوں کے جانب منسوب کرینگے تو اس سے مراد دعا ہوگا اور سلام اس دعا کو کہتے ہیں جسمیں داعی کو خاص غرض آسمانی بلیات سے محفوظ رہنا ہے یہاں لفظ صلوٰۃ و سلام کو لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ رحمت خداوندی اور استغفارِ ملائکہ اور دعائے مومنین سے فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ مکان اور عظمتِ شان ہی بلکہ علاوہ برین دنیاوی اور آسمانی دونوں بلاؤں سے محفوظ رکھنا بھی مطلوب ہے، یہ قاعدہ کی بات ہے مثلاً بادشاہوں کے پاس اگر ان کا دوست آجائے تو بادشاہ اس کی تعظیم کیلئے صرف رعایا کو حکم دیتا ہے اگر زیادہ تعلق والا ہو تو اسکی تعظیم کیلئے علاوہ رعایا کے ارکان دولت کو بھی حکم دیتا ہے کہ تم سب بھی اسکی تعظیم کرو اور اگر خاص الخاص دوست آجائے تو اسکی تعظیم کیلئے علاوہ رعایا اور ارکان دولت کے خود بھی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتا ہے اس لئے کہ بادشاہ قیام تعظیم کیلئے انتہائی درجہ کہلایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ تعظیم کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کیلئے مومنوں کو حکم دیتا ہے جو بمنزلۂ رعایا کے ہیں اور ملائکہ کو جو بمنزلۂ ارکان دولت کے ہیں ان دونوں کی تعظیم پر کفایت نہیں کی خود بھی شریک حال ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان و عظمت مکان ثابت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ سے مروی ہے کہ جو مؤمن رسول اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے وہ چشم زدن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن کر انتہا خوشی سے فرماتے ہیں۔ ——

کہ تو بھی میری جانب سے اسکو درود پہنچا دے پھر فرشتہ جناب الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ فلاں بندہ نے تیرے حبیب پاک پر درود بھیجا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے تو دس بار رحمت اس پر پہنچا ایک واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص درود شریف دریا کے کنارے پر پڑھ رہا تھا اور وہیں پر ایک مچھلی اسے سنتی رہی اتفاقاً ایک مچھیرا آیا اور جال بچھا دیا اتفاقاً وہی مچھلی جال میں پھنسی جب اسکو پکایا تو وہ ہرگز نہیں گلی اس نے حیرت زدہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا بیان کیا آپ نے مچھلی کا حال معلوم کر کے فرمایا کہ دنیا کی آگ، کیا دوزخ کی آگ بھی اسکو نہیں جلا سکتی حدیث ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت پانچ تو موں کیلئے ہے

(۱) قرآن شریف تلاوت کرنے والا

(۲) اپنی زبان کو فضولیات سے روکنے والا

(۳) بھوکوں کو کھانا کھلانے والا

(۴) ننگوں کو کپڑا پہنانے والا

(۵) خدا کے محبوب پر درود بھیجنے والا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جیسے لوہا کو آگ میں ڈالنے سے اسکا میل (زنگ) دور ہو جاتا ہے اسی طرح درود شریف پڑھنے والے کے گناہ نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی درود شریف پڑھتا ہے تو ملائکہ آسمان سے کشتی مرصع اس امتی کے سامنے لاتے ہیں اور درود کو کشتی میں رکھکر مدینہ منورہ میں آپکے سامنے لیجاتے ہیں اور کہتے ہیں یارسول اللہ آپ کے فلاں امتی نے آپ پر درود شریف بھیجا ہے یہ سن کر آپ نہایت خوش ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لاؤ اس امتی کے اعمال نامہ کو بحکم خداوندی اسکے اعمال نامہ پر نیکیاں لکھتے ہیں.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے کلام، زبان، تن، روح اور بینائی سے بھی قریب ہو جاؤں تو میرے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرو اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو! ناقص درود نہ بھیجا کرو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو آگاہ فرمایئے آپ نے فرمایا میرے آل و اصحاب پر بھی درود شریف بھیجا کرو تاکہ درود کامل ہو جائے جیسے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اور فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی یہ چاہے کہ میرا دشمن مجھ سے راضی رہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ مجھ پر درود شریف کثرت سے پڑھے نیز فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی یہ چاہے کہ قیامت کے روز حساب میں آسانی ہو اسکو لازم ہے کہ مجھ پر درود بھیجے اور کوئی مجھ پر پچاس مرتبہ درود بھیجتا ہیں ان کی شفاعت کا ضامن ہوں۔

واقعہ ہے کہ ایک روز ابوجہل اور چند کفار ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے ایک سائل نے آکر سوال کیا تو انھوں نے کہا حضرت علی رضی اللہ سے مانگ وہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ نے اسکی مٹھی میں دم
کر کے کہا اسکو بند کر لو اور ان کافروں کے پاس جا کر
کھولو اس نے ایسا ہی کیا اکیا دیکھتے ہیں کہ اس کے
ہاتھ میں ایک گوہر ہے جو قیمت میں ہزار دینار کا ہے کافروں
نے سائل سے پوچھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہاں سے
دیا سائل نے جو ماجرا تھا وہ بیان کیا تب کافروں نے حضرت
علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا کہ گوہر آپ کے پاس کہاں سے
آیا؟ آپ نے فرمایا سائل نے سوال کیا تو میرے پاس کچھ
تھا مجھے شرم آئی کہ کچھ دئے بغیر اسے واپس کر دوں لھٰذا
سائل کے ہاتھ پر درود شریف پڑھکر دم کر دیا اس درود
پاک کو خدائے قدوس نے گوہر بنا دیا یہ سن کر کفار کو
نہایت حیرت ہوی اور تین شخص اسی وقت مشرف با سلام
ہوے جب اللہ تعالی نے حضرت حوا علیہ السلام کو پیدا
کیا اور آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حوا علیہ السلام سے ہوا
تو ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے مہر طلب کیا تو آدم
علیہ السلام نے فرمایا کیا چیز ہے جو میں انکے سے مہر ادا کروں ملائکہ
نے کہا کہ آپ تین دفعہ درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ
عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ پڑھئے حضرت آدم نے
تین مرتبہ درود شریف پڑھکر مہر ادا کیا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرا
نام سنے اور درود پڑھے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے
اور فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میرا نام
سنے اور درود نہ پڑھے تو وہ بخیل ہے اور فرمایا جو کوئی
پھول سونگھے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو اس نے
مجھ پر ظلم کیا ۔

ابراھیم ادھم ہر روز تین لاکھ درود شریف پڑھتے
تو اس نے مجھ پر ظلم کیا

ابراھیم ادھم ہر روز تین لاکھ درود شریف پڑھتے
تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں آئے اور
فرمایا اس درود شریف کو ہر روز تین مرتبہ پڑھ لیا کرو
جس کو میں نے تصنیف کیا ہے تجھے چند کروڑ مرتبہ کا
کا ثواب ملیگا ۔ وہ درود معظم یہ ہے ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ رَحْمَةِ
اللّٰہِ وَبِعَدَدِ کَلَامِ اللّٰہِ وَبِعَدَدِ قَطْرَةِ الْاَمْطَارِ
وَبِعَدَدِ اَوْرَاقِ الْاَشْجَارِ وَبِعَدَدِ رَمْلِ الْبِحَارِ
وَالْقِفَارِ وَبِعَدَدِ الْجُنُوْبِ وَالشِّمَالِ وَبِعَدَدِ
مَنْ اَظْلَمَ عَلَیْہِ اللَّیْلُ وَاَشْرَقَ عَلَیْہِ النَّھَارُ
وَبِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْمَخْلُوْقَاتِ وَبِعَدَدِ نُجُوْمِ
السَّمٰوَاتِ وَبِعَدَدِ ذَرَّاتِ الْکَائِنَاتِ مِنْ کُلِّ
شَیْءٍ مِّنَ الْاَزَلِ فِیْ کُلِّ لَحْظَةٍ اَلْفَ بِاَلْفِ
مَرَّةٍ فِی اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ عَلٰی صَحْبِہٖ وَتَبَعِہٖ
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۔ علاوہ ازیں اور
بہت سی احادیث اور واقعات اسکے فضائل میں آئے ہیں جنکے
احصاء کیلئے یہ مقام نہیں ہے ۔ یہ حق ہے کہ جملہ درود شریف
کامیابیوں اور فیروزمندیوں کی ضامن ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مومن
بندوں کو کثرتِ درود شریف کی توفیق سے نوازے ۔ آمین



فضائل درود شریف

از محمد عظمت اللہ کینچی
زمرۂ خامسہ متعلم دارالعلوم
لطیفیہ ویلور

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؕ

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود و سلام بھیجا کرو! اللہ تعالیٰ ہم کو اس آیت میں صلواۃ و سلام دونوں کا حکم فرمایا ہے۔

صلواۃ کے لغوی معنی مطلق دعا کے ہیں جب صلواۃ کو خدا کی جانب منسوب کرینگے تو اس سے مراد استغفار ہوگا اور جب مومنوں کے جانب منسوب کرینگے تو اس سے مراد دعا ہوگا اور سلام اس دعا کو کہتے ہیں جسمیں داعی کو خاص غرض آسمانی بلیات سے محفوظ رہنا ہے یہاں لفظ صلوٰہ وسلام کو لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ رحمت خداوندی اور استغفارِ ملائکہ اور دعائے مومنین سے فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ مکان اور عظمتِ شان ہی بلکہ علاوہ برین دنیاوی اور آسمانی دونوں بلاؤں سے محفوظ رکھنا بھی مطلوب ہے، یہ قاعدہ کی بات ہے مثلاً بادشاہوں کے پاس اگر ان کا دوست آجائے تو بادشاہ اس کی تعظیم کیلئے صرف رعایا کو حکم دیتا ہے اگر زیادہ تعلق والا ہو تو اسکی تعظیم کیلئے علاوہ رعایا کے ارکان دولت کو بھی حکم دیتا ہے کہ تم سب بھی اسکی تعظیم کرو اور اگر خاص الخاص دوست آجائے تو اسکی تعظیم کیلئے علاوہ رعایا اور ارکان دولت کے خود بھی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتا ہے اس لئے کہ بادشاہ قیام تعظیم کیلئے انتہائی درجہ کہلایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ تعظیم کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کیلئے مومنوں کو حکم دیتا ہے جو بمنزلۂ رعایا کے ہیں اور ملائکہ کو جو بمنزلۂ ارکان دولت کے ہیں ان دونوں کی تعظیم پر کفایت نہیں کی خود بھی شریک حال ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان و عظمت مکان ثابت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ جو مومن رسول اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے وہ چشم زدن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن کر انتہا خوشی سے فرماتے ہیں۔ ——